تفصیلاتِ طباعت

نام کتاب :ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

مؤلف : مولانا محمد عبدالقوی مدظلہٗ

صفحات :128

کمپوزنگ :سید خواجہ نصیرالدین قاسمی

طباعت :اے آر پرنٹرس، 9849766790

ناشر : برکات بکڈپو نزد مسجدِ اکبری، اکبر باغ، ملک پیٹ، حیدرآباد (اے پی)

قیمت :

ملنے کے پتے

- برکات بکڈپو، ادارہ اشرف العلوم خواجہ باغ سعید آباد حیدرآباد 9885200124
- مکتبہ فیض ابرار متصل مسجدِ اکبری اکبر باغ، حیدرآباد (اے پی) 040-65709414
- دکن ٹریڈرز، نزد مغل پورہ پانی کی ٹنکی، حیدرآباد (اے پی) 040-66710230
- مکتبہ کلیمیہ یوسفین چوراستہ، نام پلی، حیدرآباد (اے پی) 9885655591
- قاسمی کتب خانہ، صفا کامپلکس، سداشونگر، ٹمکور (کرناٹک) 9886252547
- مدرسہ خیر المدارس، چودھری نگر، لاتور (مہاراشٹرا) 9421956690

فہرستِ مضامین

حقوق النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کے مقام ومرتبہ کا ذکر کرنے کے بعد آپ کے حقوقِ اربعہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: پس جولوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی عزت کی، اور ان کی مدد کی، اور ان پر نازل شدہ کلام (قرآن کریم) کی اتباع کی، وہی لوگ کامیاب ہیں۔

آیت شریفہ میں آپ کے چار حقوق بتائے گئے ہیں، ایمان توقیر، نصرت اور اتباعِ قرآن وسنت!

تقدیم*

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد !

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک اس کائنات میں وہ واحد ذات ہے جس کے بغیر حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات تک رسائی، اس کی معرفت اوراس کی خوشنودی کا حصول ناممکنات میں سے ہے، وہ کائناتِ انسانی میں صورت وسیرت، اعمال واخلاق، دین و دعوت ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی مرضی اوراس کی پسند کا ایک عظیم الشان شاہکار، تمام انسانوں کیلئے ہدایت وکامیابی کا یکتا نمونہ اور عبدیتِ کاملہ کا نمایاں کردار ہیں۔ان کی اطاعت حق تعالیٰ کی اطاعت ہے،ان کی خوشی حق تعالیٰ کی خوشی کا سبب ہے، ان کی ناراضگی حق تعالیٰ کی خفگی وناراضگی کا ذریعہ ہے، ان کا دین دینُ اللہ ہے، ان کا راستہ صراطُ اللہ ہے، ان کا معجزہ کتاب اللہ ہے، ان کا قبلہ بیتُ اللہ ہے، ان کی اطاعت اطاعۃُ اللہ ہے، ان کی چاہت وجہُ اللہ ہے، ان کی دعوت کلمۃُ اللہ ہے، اور وہ بذاتِ خود عبدُ اللہ، رسولُ اللہ، حبیبُ اللہ اور داعی الی اللہ ہیں۔

انہوں نے اپنی حیاتِ طیبہ کے چالیس سال حق تعالیٰ کی یاد اوراس کے حکم کے انتظار میں گذارے اور تیئس سال بندوں کو حق تعالیٰ کی طرف بلانے ، بھٹکے ہوؤں کو سیدھا راستہ دکھانے اور خدا کے باغیوں کو ٹھکانے لگا کر اس کا کلمہ بلند کرنے میں صرف فرما دیئے ،توحید ورسالت اور آخرت کے عقیدہ کو پوری قوت سے لیکر کھڑے ہوئے اور

---

* تقدیم کی زبان اگر مشکل محسوس ہورہی ہوتو گذارش ہے کہ اصل کتاب سے مطالعہ شروع کردیں۔

جزیرۃ العرب کے ہر کچے پکے مکان میں داخل کرنے تک چین سے نہ بیٹھے، آپ کی دعوت آپ کی موجودگی ہی میں اطراف واکناف میں دور دور تک پھیل چکی تھی اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ کرامؓ نے تو مشرق ومغرب کے کونے کونے میں آپ کے لائے ہوئے دین کا پرچم بلند کر دیا۔ آسمان کی بوڑھی آنکھوں نے آپ سے پہلے کبھی ایسی کامل رسالت دیکھی نہ ایسی کامیاب قیادت اور نہ ہی ایسی پاکباز شخصیت! ان کو بچپن سے بڑھاپے تک دیکھنے والے کی زبان نے کیا خوب کہا ہے ؎

واحسن منک لم ترقط عینی
واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرأ من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء (۱)

یہ نادرو بے مثال حسن وجمال جس کی طرف حضرت حسانؓ (۲) اشارہ فرما رہے ہیں صرف جسمانی اور خلقی نہیں ہے بلکہ آپ کی روحانی واخلاقی صورتِ حال کو بھی شامل ہے یہ اشعار ڈیڑھ ہزار برس کا عرصہ گذرنے کے بعد بھی اپنی جامعیت ومانعیت اور معنویت میں بالکل انوکھے اور تازہ ہیں، آج بھی اہلِ عشق کے قلوب ان کو گنگنا کر مسرور ومخمور ہوتے رہتے ہیں تو اہل دل کی محفلیں ان کے تذکرے سے سرشار ومعمور نظر آتی ہیں۔

حضرت حسانؓ کے بعد سے آج تک عشاقِ رسولؐ، ذکر رسولؐ کو اپنا سب سے پسندیدہ مشغلہ بنائے ہوئے ہیں، شعرا اشعار میں، ادیب ادب وانشاء میں، خطیب خطابت میں، واعظ مواعظ میں، صوفیا تصوف میں، اہل قلم طرز نگارش میں، مصنفین اپنی تصنیفوں میں، اور معلمین تعلیم وتربیت کے میدانوں میں اسی مبارک نام اور اسی پاکیزہ

---

(۱) آپ سے زیادہ حسین میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا، اور آپ سے زیادہ خوبصورت کسی ماں نے آج تک نہیں جنا، آپ ہر عیب سے بری پیدا کئے گئے ہیں، جیسے خود ہی اپنی مرضی کے مطابق پیدا ہو گئے ہوں۔

(۲) شاعر دربارِ نبوی حضرت حسان بن ثابتؓ آپؐ کی ولادت کے وقت سات یا اٹھ برس کے تھے، آپ کی ولادت کے چرچے بھی سنے ہوئے تھے، آپؐ کو شروع سے آخر تک دیکھے ہوئے تھے، یہ اشعار انہوں نے آپ

تذکرہ سے وزن پیدا کرتے اور رنگ جماتے ہیں، رزم و بزم اسی کی روشنی سے روشن کئے جاتے ہیں، معرکے اور مہمین اسی کی قوت سے سر کی جاتی ہیں، محدثین تو خیر دن رات انہیں کے ذکر میں مصروف ہیں، مفسرین کی گاڑی بھی انہیں کے سہارے چلتی ہے، فقہاء انہی کی نسبت سے اعتماد حاصل کرتے ہیں، مجاہدین انہی کے وعدوں پر نذرانۂ جان لئے مقتل ڈھونڈھتے پھرتے ہیں، عابدوں کو عبادت اور زاہدوں کو آخرت کی رغبت پر انہی کی پیاری باتوں نے لگایا ہے۔

کاملین و واصلین کا ماننا تو ہے ہی کہ زندگی ان کے تصور میں رہنے کا نام ہے، ہم جیسے عاجز و ناقص بھی ان کی یاد کے بغیر زندگی کو بے لطف و بے کیف ہی محسوس کرتے ہیں۔ واقعی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد آتی ہے تو یادوں کی وادیوں میں کھوئے ہوئے رہنے کو جی چاہتا ہے، دل اس قدر بیتاب ہوتا ہے کہ بس چلے تو سینے کی سلاخوں کو توڑ کر مدینے کے نظاروں سے چمٹ جائے، عقل ان سے ملنے کیلئے **الا موت يباع فاشتريه** (۳) کی صدا لگاتی ہے تو عشق اُن پر نثار ہونے کے لئے **ابكى مخافة ان تطول حياتى** (۴) کے گن گاتا ہے۔ ہائے! ابو طالب آپ ایمان تو نہیں لائے لیکن ایمان والوں کے قلوب کو یہ کہہ کر تڑپا گئے۔

وابيض يستسقى الغمام بوجهه
ثمال اليتامىٰ عصمة للارامل(۵)

اللہ اللہ! کیسی پیاری ہے وہ ہستی، کتنی حسین ہیں اس کی ادائیں، اور کس قدر خوبصورت ہیں اس کی باتیں، جس کے نام مبارک کا تلفظ بھی اس کو بوسہ دیئے بغیر منھ

کے سامنے کہے ہیں، اگر اس میں شاعرانہ مبالغہ آرائی ہوتی یا یہ دعویٰ خلافِ واقعہ ہوتا تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سکوت نہ فرماتے، انہیں داد نہ دیتے، آپ کا سکوت اور آپ کی پسند بلاشبہ حجت وسنت ہے، پس ان اشعار میں کہی گئی باتیں حقیقت کا اقرار ہیں صرف عقیدت کا اظہار نہیں۔ واللہ اعلم

(۳) کسی مصیبت زدہ عرب کی رباعی کا مصرعہ ہے وہ نامراد کہہ رہا ہے کہ کہیں موت نہیں بک رہی ہے کہ میں اسے خرید لوں۔

سے ادا نہ ہو سکے، جس خدا نے اس کے نام میں اتنی چاشنی اور مٹھاس رکھی ہے اُس نے خود اس کی ذات وصفات کو کس قدر جاذب وپُرکشش بنا دیا ہوگا ؟ کہنے والے نے کیا خوب کہا اور بالکل سچ کہا۔

صورت تری معیارِ کمالات بنا کر
دانستہ مصور نے قلم توڑ دیا

عہدِ صحابہ ؓ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا "حسن و جمال" ان کی محفلوں، بیٹھکوں اور گفتگوؤں کا دل چسپ اور پسندیدہ ترین موضوع ہوتا تھا، بعد والے لوگ تو ان سے فرمائشیں کر کے بڑے شوق سے جمالِ رسول ﷺ کا تذکرہ سنتے ہی تھے خود صحابہ کرام ؓ بھی آپس میں بیٹھ کر اس شرابِ طہور سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔

بلکہ خود آپ کے طرزِ عمل سے ان کو اس کی ترغیب ملی تھی، حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ منبر پر چڑھے، اور لوگوں سے سوال کیا، جانتے ہو میں کون ہوں؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں، ہم یہ جانتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں! آپ نے فرمایا: (میں رسول تو ہوں ہی) "میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی تمام مخلوقات میں بہتر مخلوق یعنی انسانوں میں پیدا کیا، پھر انسانوں میں کے بہترین گروہ عرب میں پیدا کیا، پھر عرب کے بہترین قبیلہ یعنی قریش میں بنایا، پھر قریش کے بہترین خاندان یعنی بنی ہاشم میں پیدا کیا، پس میں ذات کے اعتبار سے بھی سب سے افضل ہوں اور خاندان کے اعتبار سے بھی سب سے افضل ہوں"۔(۶)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے خود اپنے عمل سے اپنے مقام و مرتبے کے تذکرہ کو مشروع بلکہ مسنون کر دیا ہے۔

---

(۴) صدیقہ عائشہ ؓ نے تربتِ رسول ﷺ پر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ آپ کے بعد اب زندگی میں کوئی بھلائی نظر نہیں آتی اسلئے اس خوف سے روئے جا رہی ہوں کہ کہیں زندگی لمبی نہ ہو جائے۔

(۵) ابو طالب نے آپ کی شان میں کہا ہے وہ خوبصورت جس کے وسیلے سے بادلوں سے بارش طلب کی جاتی ہے جو یتیموں کا سہارا اور بیواؤں کی آبرو ہے۔

حضرت ہندؓ بن ابی ہالہ، حضرت خدیجہؓ کے بیٹے اور ربیبِ رسولؐ ہیں، انہوں نے اپنے بابا کو شعور کے دور سے دیکھنا شروع کیا اور ان کے پردہ فرمانے تک دیکھتے ہی رہے، اسلئے آپ کے شمائل بہت تفصیل سے بتاتے تھے اور وصافِ رسولؐ کہلاتے تھے۔
حضرت حسنؓ بن علیؓ نواسۂ رسولؐ ہیں، انہوں نے اپنے نانا کو کم شعوری میں دیکھا تھا اور چند برس ہی دیکھ سکے تھے، نانا کی یاد آتی تو دیدار کی پیاس ستاتی تھی، اپنے ماموں کے پاس جاتے اور فرمائش کر کے جمالِ رسولؐ کے مذاکرہ سے اپنا دل بہلا لیا کرتے تھے۔(۷)

کسی بھی شخصیت میں شانِ قبولیت ومحبوبیت عموماً تین صفات سے پیدا ہوتی ہے۔ جمال، کمال اور نوال، سرورِ عالم محبوبِ اعظم، نبیٔ اکرم سیدنا ومولانا ومحبوبنا حضرت محمد عربی وقرشی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ تینوں صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

۞ حسن وجمال کی تعریفوں سے تو احادیث کا ذخیرہ بھرا پڑا ہے، محدثین کی اس موضوع پر مستقل تصنیفات بھی ہیں، امام ترمذیؒ کی "شمائل" عالمی شہرت کی حامل ہے، اردو میں بھی اس کے تراجم منثور ومنظوم موجود ہیں۔

کچھ تفصیل اس جمالِ مبارک کی اس رسالہ کے آخر میں دیکھ لیجئے اور اگر پیاس بڑھ جائے تو سیرت کی بڑی کتابوں میں تفصیل سے پڑھئے اور بار بار پڑھئے۔

۞ جہاں تک کمال کا تعلق ہے تو یہ ہر مومن کا ایمان اور ہر عالم کا ایقان ہے کہ اولین وآخرین کو اللہ پاک نے جتنے کمالات علم وعمل اور اخلاق واقدار کے عطا فرمائے تھے آپ ان سب کے جامع ہی نہیں کامل ومکمّل بھی تھے۔

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ یدبیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری(۸)

---

(۶) ترمذی: (۷) نضرۃ النعیم: ۱/۴۲۳
(۸) حضرت یوسفؑ کا مثالی حسن ہو کہ حضرت عیسیٰؑ کا معجزاتی سانس یا حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ کا چمکنا غرض تمام انبیاء کی جو منفرد خوبیاں تھیں وہ سب آپ کی ذات میں اکھٹی ہیں۔

کمالِ علم کی بات دیکھنی ہو تو **اوتیت علم الاولین و الآخرین** (۹) میں، کمالِ خلق کا معاملہ ہے تو **بعثت لا تمم مکارم الاخلاق** (۱۰) میں، کمالِ قرب کا مسئلہ ہے تو **ثُمَّ دَنیٰ فَتَدَلّیٰ** (۱۱) میں اور کمالِ اوصاف وعادات کا معاملہ ہے تو **ادبنی ربی فاحسن تادیبی** (۱۲) میں غور کرتے جایئے، جتنا غور کریں گے اعتراف واقرار کا رشتہ مضبوط ہوتا چلا جائے گا۔

❁ رہ گئی "نوال" یعنی جود وسخا کی بات تو سبحان اللہ! کس کے قلم کو یارا اور زبان کو قوت ہے کہ اس سخی داتا کی سخاوعطا کا احاطہ کر سکے جو اپنی امت کو کھلائے بغیر خود کھانہ سکتا ہو، جو اپنے گھر میں ایک درہم کا باقی رہ جانا گوارانہ کر سکتا ہو، جو حاجت کو سننے کے بعد اپنے جسم کا کرتا بھی اتار کر دیدیتا ہو، اور وہ جس کے در سے ہزاروں چولھے جلتے اور سینکڑوں پیٹ بھرتے تھے مگر خود کے گھر میں مہینوں تک پکانے کے قابل کوئی چیز نہ آتی ہو، اور مختصر یہ کہ جس کی سخاوت کے ہاتھوں پر اس کے پرودگار کو **لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ** (۱۳) کی روک لگانی پڑی ہو، ہم دانشمندانِ بے دانش اس کی جود وعطا کا کیا تصور کر سکتے ہیں؟ پھر بھی دیکھنے والوں نے سب کچھ بیان کر دیا اور لکھنے والوں نے اپنی کتابوں میں بہت کچھ ریکارڈ کر لیا ہے، ضرورت تو بس پڑھنے اور سمجھنے، سیکھنے اور عمل کرنے کی ہے، جس کے فقدان نے آج امت کو پستی کی اس سطح پر گرا دیا ہے، جس کو پہلے لوگوں نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا۔ **فالی اللہ المشتکی**۔

قصہ مختصر یہ کہ حُبِ رسولؐ اور ذکرِ رسولؐ اگر جزوِ ایمان، وسیلۂ نجات اور اشرف العبادات نہ ہوتا تب بھی آپ کے جمالات، کمالات اور نوالات بذاتِ خود مومنین کے قلوب کو اپنی جانب مائل کر کے گرویدہ بنا لینے کیلئے کافی تھے۔

---

(۹) مجھے اولین وآخرین کا علم دیا گیا۔ (۱۰) میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

(۱۱) پھر وہ قریب آیا اور جھک پڑا

(۱۲) میرے رب نے میری تربیت کی اور کیا ہی عمدہ تربیت کی۔

ز فرق تا بہ قدم، ہرکجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جا است (۱۴)

چہ جائے کہ نصوص قطعیہ اور دلائلِ واضحہ سے آپ کی محبت کو محبتِ خداوندی کا، آپ کی ذات وصفات اور آداب کی معرفت کو حفاظتِ دین وایمان کا، اور آپ کی تعلیمات کی اتباع کو نجاتِ اُخروی اور دارین کی سرخروئی کا موقوف علیہ قرار دیا گیا ہے تو خود ہی غور کرنا چاہئے کہ آپ کی ذات وصفات اور تعلیمات یعنی سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اور ان سے واقفیت مسلمانوں کا کتنا بڑا اور کس قدر اہم فریضہ ہے؟

امام ابن قیمؒ اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "زادالمعاد" کے افتتاحیہ میں "معرفتِ رسول بندہ کی سب سے اہم ضرورت ہے" کے عنوان سے ایک فصل قائم کر کے رقم طراز ہیں: (۱۵)

"اسی سے معلوم ہوگیا کہ بندوں کی سب سے بڑی اور اہم ضرورت جو تمام ضرورتوں سے مقدم اور اہم ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور ان کی تعلیمات کی معرفت، ان کی خبروں کی تصدیق اور ان کے احکام کی تعمیل ہے، اس لئے کہ دنیا وآخرت دونوں کی فوز وفلاح اسی میں ہے، اچھے برے کی تمیز بھی انہی کے ذریعہ سے ہوسکتی ہے، رضائے الٰہی کا حصول بھی انہی کے طریق سے ہوتا ہے، ان کے اعمال واقوال اور اخلاق اس قدر پاکیزہ ہیں کہ انہیں کو اخلاق واعمال اور اقوال کے پرکھنے اور اچھے برے میں تمیز کرنے کا پیمانہ بنادیا گیا ہے، اور انہی کی متابعت اہل ہدایت کو اہلِ ضلالت سے ممتاز کرتی ہے۔ پس امت کو نبی کی معرفت کی ضرورت اس سے بھی زیادہ ہے جتنی کہ بدن کو روح کی، آنکھوں کو روشنی کی، اور روح کو زندگی کی ضرورت ہے، پس بندوں کو دنیا میں جتنی چیزوں کا محتاج بنایا گیا

(۱۳) ایک لڑکا آپ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ میری والدہ کو قمیص کی ضرورت ہے، آپ نے فرمایا میرے پاس اس وقت بس یہی قمیص ہے جو میں پہنا ہوا ہوں، اس نے ناسمجھی سے کہہ دیا کہ یہی میری والدہ کیلئے دیدیجئے تو آپ نے اتار کر دیدیا، اس موقعہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور پابند کیا کہ اپنا ہاتھ سخاوت میں اتنا نہ کھول دیجئے کہ گھر میں مجبور ہو کر بیٹھ جانا پڑے۔ (سنن بیہقی ۷/۳۳۵)

ہے ان میں سب سے اہم اور بڑی ضرورت جو ہوسکتی ہے وہ بندوں کا اپنے رسول کا محتاج ہونا ہے۔ اگر مومن پل جھپکنے کے بقدر بھی نبی اور اس کی تعلیم سے غافل رہتا ہے تو اس کا دل اجڑ جاتا ہے اور وہ ماہیٔ بے آب کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ تڑپنے لگتا ہے، مگر اس مفارقتِ رسول کا احساس اور اس کے نقصان کا اندازہ صرف اسی قلب کو ہوسکتا ہے جو زندہ ہو، کیوں کہ مردے کا دل زخموں کی تکلیف محسوس نہیں کرسکتا، غرض جب یہ بات ثابت ہوئی کہ آدمی کی سعادتِ دارین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے وابستہ ہے تو ہر اس شخص پر جو اپنے آپ کا خیر خواہ اور اپنی نجات وسعادت کا متمنی ہے لازم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسنت سے واقفیت حاصل کر کے اس کے مطابق اپنی عملی زندگی کو سنوار لے، تاکہ ان کے متبعین کے گروہ میں شامل ہوسکے، تاہم اس بارے میں لوگوں کا حال یہ ہے کہ کوئی غلو کا شکار ہے تو کوئی تفریط کا مجرم اور کوئی بدقسمت تو سرے سے محروم ہی ہے۔" (۱۶)

آج بھی امتِ مسلمہ میں یہ تینوں طبقے موجود ہیں، جن کی جانب امامؒ نے اشارہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس تحقیق انیق کو اچھی طرح ذہن میں بٹھا لینے اور بے جا تاویلات کو چھوڑ کر اپنے نبیؐ کی سچی محبت اور سچی اطاعت کو اختیار کر لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بہر حال عرض کرنا یہ ہے کہ پوری امت کے نزدیک محبتِ رسول جزو ایمان بلکہ ایک حیثیت سے عین ایمان ہے، اور ذکرِ رسولؐ اول العبادات ہے، مگر اس مادیت پرستی اور خود غرضی کے دور میں "حبِ رسولؐ اور ذکر رسولؐ" کی متاع دن بہ دن نایاب ہوتی جارہی ہے، جہاں محبت کی باتیں ہیں وہاں ابلہ فریبی اور طفل تسلی کے علاوہ کچھ نہیں، اور جہاں شریعت کے دعوے ہیں وہاں قاعدے قانون کی باتوں سے زائد کوئی شئے نہیں ہے

---

(۱۴) سر سے لے کر پیر تک ذات مبارک کو جہاں کہیں دیکھتا ہوں، ان کی ہر ادا دل کو اپنی طرف مائل کر لیتی ہے کہ قربان ہونے کے قابل میں ہوں۔

(۱۵) علامہ موصوف نے اس سے قبل ایک طویل بحث اس پر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہر جنس میں سے صرف طیب اور پاکیزہ کو پسند فرمایا ہے، اسی سنت کے مطابق ظاہر ہے کہ بندوں میں سے

یعنی اگر شریعت کا پاس ہے تو محبت کا احساس نہیں، محبت کا احساس ہے تو شریعت کا پاس نہیں! خلفائے راشدین، صحابہ وتابعین، ائمہ مفسرین، فقہائے مجتہدین اور اولیائے کاملین سب کے سب شریعت ومحبت، عقیدت واطاعت کے جامع تھے، ان میں سے ہر ایک

بر کفے جام شریعت بر کفے سندانِ عشق (۱۷)

کی منہ بولتی تصویر تھا، اوپر سے نیچے تک سلف وخلف کی تاریخ پڑھ جایئے ہر ایک کی زبان حال یہی کہتی ملے گی۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست (۱۸)

یہ راقم عاجز وعاصی اگر چہ کہ علم وعمل میں بہت کوتاہ ہے مگر اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا کرم ہے اور اس کرم کا جس قدر بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اس نے اُمت کے اس طبقے سے وابستہ فرمایا جس کے اکابر مسلک معتدل کے حامل، شریعت وطریقت کے جامع اور توحید وسنت کے ناشر ہیں، نہ مُلائے خشک ونا ہموار نہ ہی نام نہاد عاشق زار و بے اطوار! نہ ہی عالم بے عمل اور نہ عاملِ بے علم! ان کا اعتقاد ومسلک یہ ہے کہ محبت بلا اتباعِ رسول اور اتباع بلا محبتِ رسول دونوں گمراہی کے راستے ہیں، وہ صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنے عقیدہ وعمل کا معیار بنائے ہوئے ہیں کہ کامیابی ونجات کا راستہ محبت کاملہ کے ساتھ اتباع کامل کے علاوہ کوئی اور نہیں! (۱۹)

ان آنکھوں نے —— کسی دوسرے کی تحقیر وتنقیص کئے بغیر —— اپنی زندگی میں اپنے ان بزرگوں سے زیادہ کسی کی آنکھوں کو عشقِ محمدی کے جلوؤں سے مخمور، قلوب کو دردِ محبت سے چور چور، اور شب وروز کو اتباعِ سنت میں مصروف ومشغول نہیں دیکھا ہے۔

بھی طیب بندوں کو پسند فرماتا ہے اور طیب بندے صرف وہی ہو سکتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہوں۔

(۱۶) (زاد المعاد ص:۲۵) ہمارے تمام اکابر اہل سنت اسی رنگ ومزاج اور اعتقاد کے حامل ہیں، کتابوں میں ان کی ایسی بیشمار اور موثر عبارات موجود ہیں، میں نے صرف امام ابن قیمؒ کی ایک عبارت دو مصلحتوں سے پیش کی ہے، ایک تو اسلئے کہ یہ جامع ومانع ہے، دوسرے آج کل کچھ لوگ توحیدی رنگ کے غلبہ کا بہانہ بنا کر محبت کے تذکرہ کو

ہاں ! وہ جذبات پر تعلیمات کو اور جوش وخروش پر ہوش کو غالب رکھتے ہیں، جبکہ یہ بھی سنتِ رسول ہی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

ہنسی بھی ہے گو لبوں پہ ہر دم، چشم بھی میری تر نہیں ہے
مگر جو دل رو رہا ہے پیہم، کسی کو اس کی خبر نہیں ہے

غرض ان بزرگوں کی صحبت اور ان کی تصنیفات کے مطالعہ نے فکری اور اعتقادی طور پر اسلام کی جو صراطِ مستقیم دکھائی ہے اس کی روشنی میں اور اسکی برکت سے **الحمد للّٰہ** یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ ایک مومن کو ذاتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور اور اس کے تذکرہ سے بڑھ کر اس دنیا میں کوئی چیز مرغوب ومحبوب اور لطیف ولذیذ محسوس نہیں ہونی چاہئے ، بیشک یادِ الٰہی اور ذکر خداوندی سب سے بڑی چیز ہے **ولذکر اللّٰہ اکبر** نص قطعی ہے مگر اس کو کیا کیجئے کہ اس کا علم بھی ہم انجانوں کو نبی ہی کے ذریعہ ہوا ہے اور وہ مقبول بھی اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ نبی کے طریقے پر نہ ہو۔ رضائے الٰہی کا حصول —— جو اصل الاصول اور تمام مجاہدات ، ریاضات وعبادات کا واحد مقصود ہے —— وہ بھی اسوۂ نبوی کی متابعت پر موقوف ہے اور موقوف علیہ مقصود پر مقدم ہوتا ہے جیسے کہ مقصود نماز ہے مگر وضو اس سے مقدم ہے، پس معلوم ہوا کہ جس قدر بندہ کو نبی سے وصل وقرب حاصل ہوتا جاتا ہے اسی قدر بارگاہِ خداوندی میں باریابی ونزدیکی حاصل ہوتی چلی جاتی ہے۔

ہاں ! نبی کے تقرب کیلئے ان کی محبت اور اتباع ، محبت واتباع کیلئے ان کی معرفت اور معرفت کیلئے مطالعۂ سیرت کا جو تلازم ہے وہ اہل علم وعقل سے مخفی نہیں ہے۔ چنانچہ خیر القرون میں سیرتِ طیبہ کا مذاکرہ اور بعد کے ادوار میں اس کا مطالعہ تمام اہلُ اللہ کی

نظر انداز کررہے ہیں یا پھر محبتی رنگ کے غلبہ کا بہانا بنا کر اتباع کی باتوں سے بے اعتنائی برت رہے ہیں، اور یہ عبارت دونوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔

(۱۷) ایک ہاتھ میں شریعت کا پیالہ دوسرے میں عشق کا ہتھوڑا۔

(۱۸) اپنے دامن کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جوڑلو کیوں کہ دین بس علم وعمل میں آپ کی نسبت ہی کا نام ہے۔

ترجیحی مصروفیت رہی ہے۔ مگر اس شر القرون میں جس میں کہ ہم جی رہے ہیں اس عظیم وبابرکت مشغلہ کو بہت حد تک ترک کردیا گیا ہے، اور نئی نسل کو تو اس موضوع سے گویا کسی قسم کی دلچسپی ہی نہیں، جس طبقے کو دین وعمل کی توفیق ملی ہوئی ہے افسوس کہ وہ بھی تقریر وتحریر کی ضرورت کے بقدر سیرت النبی کا مطالعہ کرلیتا ہے، اس سے آگے اپنی مستقل ضرورت وحاجت سمجھ کر اور تقاضۂ محبت کے طور پر اتنا اہتمام بھی نہیں رکھتا جتنا کہ اخبار دیکھنے کا اہتمام ہوتا ہے۔ گویا رابطہ کو چھوڑ کر ضابطہ کے تعلق پر اکتفاء کرلیا گیا ہے۔ فیـــا حسرة علی العباد

خیر! یہ داستانِ غم بہت طویل بھی ہے بہت دلخراش بھی! اس وقت اس میں الجھے بغیر صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اس سال ربیع الاول کے مہینے میں "عید میلاد" کے عنوان سے ہونے والے اعمال اور جلسوں جلوسوں کی ابتر صورتحال کو دیکھ کر دل میں بڑی شدت سے یہ بات آتی رہی کہ اس بے راہ روی اور بے اعتدالی کا حل اور اس کا بہتر علاج اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ذات کی صحیح معرفت کرائی جائے، اسلئے کہ محبوب کا علم اور اس کی معرفت اگر ناقص ہے تو جذبات محبت کی بیساکھیوں سے مُحب اپنے محبوب تک پہونچنے اور عاشق اپنے معشوق کا وصل وقرب حاصل کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا، خود سرورِ عالم محبوبِ اعظم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

" میری پوری امت جنت میں داخل ہوگی سوائے نافرمانوں کے، پوچھا گیا نافرمان سے کون مراد ہیں؟ فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور

(۱۹) حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ملفوظ کہیں نظر سے گذرا تھا کہ قرآن کریم میں صحابہ کی طرح ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے اور "صحابہؓ کا ایمان عاشقانہ تھا فلسفیانہ نہیں" یعنی صحابہ کرامؓ کے ایمان کی پختگی اور اتباع کے کمال کا راز یہ تھا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بحث وتمحیص کے نتیجہ میں نہیں مانا تھا شخصیت کے کمال اور شرافت وصداقت کے دوام سے متاثر ہوکر ان پر ایمان لائے تھے، بلکہ بعض تو محض آپکے چہرۂ مبارکہ کو دیکھ کر ہی ایمان لے آئے تھے۔

جس نے میری نافرمانی کی تو وہی نافرمان ہے" (۲۰)

اپنے سینوں کو کینوں سے پاک رکھنے کی ہدایت دیتے ہوئے ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا:

"یہ میری سنت ہے، جو میری سنت سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا" (۲۱)

ایک مرتبہ مزید وضاحت کے ساتھ فرمایا:

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنی خواہشات کو میری شریعت کے تابع نہ کردے" (۲۲)

یہ اور ان جیسی بے شمار احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ تمام گمراہیوں اور بے راہ رویوں کی جڑ سرچشمۂ ہدایت سیدنا و مولانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ ذات وصفات اور مبارک تعلیمات سے بے خبری اور دوری ہے، اس لئے جی چاہتا ہے کہ اُمت کا ہر ایک فرد بالخصوص موجودہ نسل کے نوجوان اور بچے کم از کم ایک دفعہ ضرور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرلیں، اس میں خیر بھی ہے، برکت بھی ہے، ہدایت بھی ہے، حق تعالیٰ شانہ کی رضا و خوشنودی بھی ہے، آلام و آفات کا دفعیہ بھی ہے، ہر قسم کی گمراہیوں اور بدعملیوں کا علاج بھی ہے۔ (۲۳)

لیکن اس کیلئے کسی ایسے رسالہ کی ضرورت تھی جو مختصر بھی ہو آسان بھی ہو، مستند بھی ہو، علمی مباحث اور دقیق اصطلاحات سے خالی بھی ہو، تا کہ اول تا آخر بلا کسی رکاوٹ کے پڑھ لیا جاسکے، اور اسکا پڑھنا سیرابی کے بجائے تشنگی بڑھنے کا سبب ہوجائے، کیونکہ یہ وہ پیاس ہے جو بجھ جائے تو گویا زندگی کا چراغ بھی بجھ جاتا ہے اور اگر بڑھ جائے تو حیاتِ نو ملتی چلی جاتی ہے۔

---

(۲۰) بخاری کذا فی مشکوٰۃ: ۲۷، (۲۱) ترمذی کذا فی مشکوٰۃ: ۳۰ (۲۲) شرح السنۃ کذا فی مشکوٰۃ: ۳۰

(۲۳) میں تین سال سے دیہات کے مسلمانوں کو ہر سال جمع کر کے دن بھر سیرت طیبہ سنا کر اس برکت کا مشاہدہ کر رہا ہوں جو اس مبارک تذکرہ میں حق تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا ہے۔

میں نے آج سے پچیس سال قبل ربیع الاول سن ۱۴۰۷ ہجری میں ایک مختصر سا رسالہ "مقالۂ سیرت" کے نام سے حصول سعادت و برکت کی غرض سے لکھا تھا وہ اسی وقت شائع بھی ہوا تھا، خیال ہوا کہ یہی رسالہ پھر چھاپ کر عام کیا جائے، مگر جب میں نے اس کا مطالعہ کیا تو بہت ہی محدود و مختصر پایا کہ اس سے مقصود کا حصول مشکل تھا، اسلئے اس رسالہ میں کچھ حک و فک کر کے اسی کو مزید جامع و مانع بنا دینے کے ارادہ سے کام شروع کیا، مگر جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ یہ عنوان ہی کچھ ایسا ہے کہ اس میں ایک مومن کا دل اختصار پر رضا مند نہیں ہوتا، اس کام کے دوران لکھنا کم پڑھنا زیادہ ہوتا رہا، جب سیرتِ طیبہ کو پڑھنے لگتا تو لکھنے کا خیال ہی دھیان سے نکل جاتا اور جب لکھنے بیٹھتا تو پڑھنے کی شدید ضرورت محسوس ہوتی۔ اسی میں کافی وقت نکل گیا، درمیان میں اپنی دیگر ذمہ داریوں اور اسفار کے رخنے علاحدہ آتے رہے، بالآخر ۱۵/ربیع الاول کو شروع کردہ جدید ترتیب کا یہ کام آج ۳۰/ربیع الثانی کو مکمل ہوا، مگر مختصر مقالے کے بجائے مستقل اور بہت حد تک جامع رسالہ ہو گیا ہے۔

میں نے متن میں زبان کو عام فہم رکھنے کی بہت کوشش کی ہے، اس کے لئے تین تین مرتبہ نظر ثانی اور تغیرات کرتا رہا، البتہ تقدیم اور حواشی میں اس کی رعایت نہ ہو سکی۔ خدا کرے کہ یہ سعی امتِ مسلمہ کیلئے نافع ہو، اور جس غرض سے میں نے اس کے پیچھے بہت کاموں کو نظر انداز کر کے سفر و حضر کی بیسیوں راتوں کا بڑا حصہ صرف کیا ہے وہ غرض پوری ہو، یعنی قارئین کو اپنے محبوب آقا دارین کے راہنما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی معرفت حاصل ہو جائے، اسی کے ساتھ انہیں تفصیل سے جاننے سمجھنے اور ماننے کا ایسا جوش اٹھے جو موت کی ہچکی تک ختم نہ ہو سکے۔ آمین یا رب العالمین۔ **والسلام علی سید المرسلین و امام المحبوبین برحمتک یا ارحم الراحمین.**

اخیر میں دو باتیں اور لکھنا ضروری سمجھتا ہوں، اول یہ کہ اس رسالہ کی ترتیب میں

میرے سامنے عربی کتب میں سے " سیرت ابن ہشام، البدایہ والنھایہ، زادالمعاد، اور نضرۃ النعیم" اور اردو کتب میں سے "سیرتِ مصطفےٰ، سیرت النبی، اور نشرا لطیب" رہیں یہی سات کتب اس رسالہ کے مندرجات کا حوالہ ہیں۔ چونکہ یہ کوشش عوام الناس کیلئے کی گئی ہے اس لئے جگہ جگہ حوالہ کا اہتمام نہیں کیا گیا، اہل علم اگر کوئی سقم محسوس فرمائیں تو ضرور مطلع فرمائیں، رجوع الی الحق سے انشاء اللہ کوئی ابا نہ ہوگا۔

دوسرے یہ کہ اس رسالہ کی کتابت کا کام عزیزم مولوی سید خواجہ نصیر الدین قاسمی سلمہٗ نے بہت ہی ذوق وشوق اور سلیقے سے انجام دیا ہے، میری تحریر کا خط شکستہ ہے سب سے پڑھا بھی نہیں جاتا، اس پر غضب یہ کہ ردو بدل اور حک وفک کا لمبا سلسلہ چلتا رہا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، ان کی مرادوں کو برلائے۔ آمین

قارئین کی دعاؤں کا محتاج

محمد عبد القوی

شرطِ محبت

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

آپ فرما دیجئے! (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ سے (واقعی) محبت کرتے ہو تو تم میری اتباع کرو (تب جا کر اللہ تعالیٰ کی محبت معتبر ہوگی) اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

(آل عمران: ۳۱)

قبلِ ولادتِ مبارکہ - دنیا کی ایک معاشرتی جھلک :-

چھٹی صدی عیسوی میں یہ دنیا نہایت تاریک دور سے گذر رہی تھی، شرک وبُت پرستی تو عام ہو ہی چکی تھی، انسانیت کا نام ونشان بھی مٹتا جارہا تھا، غیرت وحمیت نابود ہو چکی تھی۔ فتنہ وفساد، قتل وغارتگری طبیعتِ ثانیہ بن گئی تھی ۔ شرافت ونجابت دم توڑ رہی تھی، امیروں کی غریبوں پر اور طاقت والوں کی کمزوروں پر حکومت چل رہی تھی، انصاف نے بھی عاجز ہو کر ظلم کے آگے شکست قبول کر لی تھی، اسباب کو ارباب کا درجہ دے لیا گیا تھا۔ خیالی تصویروں، جھوٹے معبودوں، درختوں، پتھروں اور جانوروں حتیٰ کہ کیڑے مکوڑوں تک کی پرستش کی جارہی تھی۔ شراب اور جوا گھُٹی میں پڑا ہوا تھا، لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا، قافلوں کو لوٹ لینا، معصوم وبے گناہ افراد کو قتل کر دینا، رائی کا پہاڑ بنا کر بات بات میں جھگڑتے رہنا ان لوگوں کا محبوب ترین مشغلہ بن گیا تھا، جس کی وجہ سے معمولی معمولی لڑائیوں کو برسوں کی جنگ میں تبدیل کیا جارہا تھا۔ جہالت وناخواندگی عام ہو چکی تھی، مالدار اور حکمراں لوگ لوٹ کھسوٹ اور ظلم وزیادتی کے ذریعہ عیش وعشرت کرنے میں حیوانیت اور جانورپن کی حدوں کو پھاند چکے تھے، ان حالات سے بیزار ہو کر عام لوگ شہری مصروفیات کو چھوڑ کر صحراؤں میں نکل جانے اور عبادت خانوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے تھے۔ کہیں غریبی اور معاشی تنگی کے خوف سے بچے قتل کئے جارہے تھے، اور کہیں قرضے چکانے کے لئے انھیں فروخت کیا جارہا تھا، کسی جگہ شوہر اپنی بیویوں کو جوّے میں ہار رہے تھے، عورت کی قیمت گھر کے سازوسامان سے زیادہ نہیں رہ گئی تھی، کبھی وہ کسی سے خوش ہو کر اس کو تحفہ میں دے دی جاتی

تو کسی وقت وراثت میں منتقل ہو جاتی تھی بہادری، جفاکشی، ہمت وعزیمت جیسی صلاحیتیں ان لوگوں میں موجود تو تھیں مگر یا تو وہ حاکموں کے ظلم تلے دبی ہوئی تھیں یا پھر خاندانی برتری جتانے میں اور فخر وغرور جیسی مذموم حرکتوں میں استعمال ہو رہی تھیں۔ مختصر یہ کہ انسانیت جہالت وضلالت کے مہیب سایہ تلے کراہ رہی تھی اور بدکرداری وبداخلاقی کی گھٹاٹوپ تاریکی اس پر چھائی ہوئی تھی۔(۱)

ولادت باسعادت:۔

جب دُنیا کا یہ عالم ہو گیا اور دن بہ دن حالات مزید بگڑتے چلے جارہے تھے تو اللہ رب العزت نے اپنے قانونِ ہدایت کے مطابق انسانیت کے اس بھٹکے ہوئے قافلہ کو سیدھا راستہ دکھلانے اور اپنے بندوں کو نورِ ہدایت سے منور فرمانے کیلئے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ازلی فیصلہ ظاہر فرمادیا۔ چنانچہ مکہ معظّمہ میں ابرہہ کے مشہور واقعہ(۲) سے پچاس دن بعد ۹ رربیع الاول عام الفیل(۳) مطابق ۲۱ راپریل ۵۷۱ء پیر کے دن صبح صادق کے وقت طلوعِ آفتاب سے قبل چودہ سالہ بیوہ محترمہ حضرت آمنہؓ کے بطن مبارک سے ۲۴ ر سالہ عبد اللہ مرحوم کے بیٹے سید الثقلین، سرورِ کونین، سیدنا ومولانا حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس چمنستانِ عالم میں اپنی تمام خوبیوں اور برکتوں کے ساتھ رونق افروز ہوگئے۔

انقلابِ عالم کے آثار:۔

اب کیا تھا؟ اہل عالم کی قسمت چمک گئی، مایوسیاں آس میں تبدیل ہوگئیں، دُنیا کا

---

(۱) ان حالات کو تفصیل سے جاننے کیلئے مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف "نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم" ص: ۴۸ تا ۱۱۶ کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔

(۲) یہ واقعہ آگے تفصیل سے آرہا ہے۔

(۳) ابرہہ ہاتھی پر سوار ہو کر آیا تھا، ہاتھی کو عربی میں "الفیل" اور سال کو "عام" کہتے ہیں اسی مناسبت سے اس سال کو "عام الفیل" یعنی ہاتھی کے واقعہ والا سال کہا جاتا ہے۔

کا اندھیرا روشنی و نورانیت میں بدل گیا، ایوانِ کسریٰ (۴) کے کنگرے گر پڑے، آتش کدۂ فارس (۵) بجھ گیا، نہر ساوہ (۶) خشک ہوگئی، صنم خانے اور بُت کدے خاک میں مل گئے، نجومیوں کے دل دھڑکنے لگے، منتظرین (۷) کا انتظار دور ہوا کہ بھٹکتی انسانیت کو بے مثال قائد اور کامل رہبر مل گیا۔

حفاظتِ دین کی ایک جھلک :-

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے سال یمن کے ایک گورنر "ابرہہ" نے یمن کے مشہور شہر "صنعاء" میں بادشاہ حبشہ کیلئے ایک شاندار عمارت تعمیر کرائی، جس میں ایک گرجا گھر بھی بہت خوبصورت اور عمدہ بنوایا تھا، اس کی تمنا تھی کہ جس طرح لوگ کعبۃ اللہ کی زیارت کیلئے ہر سال جمع ہوتے ہیں، اسی طرح اس گرجا گھر کے دیکھنے کے لئے بھی اطراف و اکناف سے لوگ آیا کریں، جب اس کا یہ ارادہ علاقہ کے لوگوں میں مشہور ہوا تو یہ بات عربوں کو سخت ناگوار ہوئی کہ کعبۃ اللہ کے مقابلہ میں کوئی اور گھر ایسی ہی تعظیم کیلئے بنایا جائے جیسے کعبہ کی ہوتی ہے، ایک کنانی شخص نے کوئی موقع دیکھ کر اس گرجا گھر میں جا کر غلاظت کردی۔ اس حرکت پر "ابرہہ" کو طیش آنا فطری امر تھا، ابرہہ غضبناک ہوا اور ٹھان لیا کہ اس کے جواب میں میں کعبۃ اللہ کو منہدم کردوں گا، اس ارادہ سے بہت بڑا لشکر لے کر مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوا، راستہ میں جن لوگوں نے اُسے روکنے کی کوشش کی انہیں شکست دیتا ہوا مکہ مکرمہ پہونچ گیا۔ مکہ کے سردار عبدالمطلب کو معلوم ہوا تو انہوں نے کچھ زیادہ توجہ نہ دی اور کہا کہ کعبہ کا رب خود اس کی حفاظت کرلے گا۔ البتہ دعا کا اہتمام کیا اور کروایا، جس دن

---

(۴) ایوان محل کو کہتے ہیں، کسریٰ ایران کے بادشاہ کا لقب تھا، کہتے ہیں کہ جس صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی اسی رات کسریٰ کے محل میں زلزلہ آیا اور اس کے محل کے چودہ کنگرے ٹوٹ کر گر گئے۔

(۵) ایرانی لوگ آتش پرست تھے، یعنی آگ کی پوجا کرتے تھے، وہاں ایک خندق بنی ہوئی تھی جس میں ایک ہزار برس سے آگ جل رہی تھی کبھی بجھی نہیں تھی، جس رات رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے یہ آگ ہمیشہ کے لئے بجھ گئی۔

حملہ کے ارادہ سے ابرہہ اپنے خیمہ سے نکلا اس کا ہاتھی ضد میں آ کر راستہ میں بیٹھ گیا اور قدرت خداوندی نے چھوٹی چھوٹی چڑیوں کے ذریعہ اس پر اور اس کے لشکر پر ایسی کنکریاں برسائیں کہ سنبھل نہیں پائے، تباہ و برباد ہو گئے۔ اس تاریخی اور عبرتناک واقعہ کے پچاس دن بعد آپ کی پیدائش ہوئی۔

اسمِ گرامی :-

والدہ محترمہ نے غیبی بشارت سے آپ کا نام احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی پُر مسرت خبر پہنچی تو نہایت ہی مسرت وخوشی کے عالم میں حضرت آمنہ کے گھر تشریف لائے اور پوترے کو گود میں لے کر حرم محترم پہونچے، کعبۃ اللہ کے اندر لیجا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور ساتویں دن عقیقہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجویز کیا، لوگوں نے خاندانی روایت کے برخلاف اس عجیب نام پر تعجب کا اظہار کیا تو عبدالمطلب کہنے لگے کہ "میرا یہ بچہ عجیب شان کا ہونے والا ہے" مطلب یہ کہ ایک نام ہی ان کا نرالا نہیں بلکہ ہر ادا نرالی ہے۔

نسبِ مبارک :-

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ والد ماجد کی طرف سے اس طرح ہے:

(سیدنا ومولانا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قُصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نظر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

اور والدہ ماجدہ کی طرف سے اس طرح ہے۔

---

(٦) ساوہ ایران ہی کی ایک نہر کا نام ہے۔

(٧) یہود ونصاریٰ کے علماء جن کے پاس پچھلی آسمانی کتابوں کی روشنی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لے کر وفات تک کی ہر نشانی کا علم تھا، آثار وقرائن سے یہ لوگ اس وقت سمجھ گئے تھے کہ اس آخری نبی کا ظہور ہو گیا ہے جن کا وہ انتظار کر رہے ہیں۔ اسی کی طرف اس جملہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

(سیدنا و مولانا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نظر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان

عدنان کا نسب آگے بڑھ کر حضرت اسمٰعیل بن حضرت ابراھیم علیھما السلام تک پہونچتا ہے۔ یہ سب لوگ اچھے اخلاق اور مرتبے اور مقام والے لوگ تھے۔(۸)

والدین کریمین:-

حضرت آمنہ خاندانِ قریش کی ایک معزز اور اخلاق و شرافت کی مجسمہ خاتون تھیں، ان کا سلسلۂ نسب اوپر جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا "فہر" میں مل جاتا ہے، فہر ہی کا لقب "قریش" تھا، اسی نسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریشی کہلاتے ہیں، حضرت آمنہ بھی قریشیہ تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے اور چہیتے بیٹے تھے، اخلاق و شرافت کا پیکر اور شرک و بُت پرستی سے متنفر تھے، عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ اگر انہیں دس بیٹے ہوں گے اور وہ ان کے کام کاج میں ہاتھ بٹانے لگیں گے تو وہ ایک بیٹے کو اللہ کے نام پر قربان کر دیں گے، حضرت عبداللہ کی پیدائش سے ان کی یہ خواہش پوری ہوئی، جب انہوں نے نذر پوری کرنے کا ارادہ کیا تو سب بیٹوں کے نام کا قرعہ ڈالا، تینوں مرتبہ قرعہ میں قربان کرنے کے لئے عبداللہ ہی کا نام نکلا، عبدالمطلب تو تیار ہو گئے مگر بہنوں اور قوم کے لوگوں نے مزاحمت کی اور یہ طئے پایا کہ

(۸) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ دادا سب شرفاء قوم اور جاہ و مرتبے والے لوگ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ سماج میں بہت ہی شریف اور نیک سیرت نوجوان مانے جاتے تھے، آپ کے دادا عبدالمطلب تو اہلِ مکہ کے سردار ہی تھے، اسی طرح اور اوپر کے اجداد کا حال ہے، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آباء و اجداد کی شرافت و وجاہت کی تعریف فرما کر اُسے اللہ تعالیٰ کا کرم قرار دیا ہے کہ اچھے سے اچھے خاندانوں میں آپ کا جوہر منتقل ہوتا ہوا آیا ہے اور آپ کے آباء و اجداد مرد اور عورتیں سب ہر قسم کی بدکاری و بداخلاقی سے محفوظ تھے۔ (نشر الطیب ص:۱۹)

عبداللہ اور ایک جان کا مقررہ فدیہ یعنی دس اونٹ کے درمیان قرعہ ڈالا جائے، ایسا کیا گیا تو بھی عبداللہ ہی کا نام نکلا، عبدالمطلب دس دس اونٹ اضافہ کر کے قرعہ ڈالتے رہے، یہاں تک کہ جب سو اونٹ اور عبداللہ میں قرعہ ڈالا گیا تو اونٹوں کا نام نکلا، سب لوگ خوشی سے سرشار ہوئے اور عبدالمطلب نے بیٹے کے فدیہ میں سو اونٹ قربان کر کے اپنی نذر پوری کر لی۔ عبدالمطلب نے ان کا نکاح خاندانِ قریش کی ایک معزز خاتون آمنہ بنت وہب سے کر دیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آمنہ کے پیٹ ہی میں تھے کہ عبدالمطلب نے بیٹے کو تجارت کی غرض سے سفر میں بھیجا، واپسی میں وہ مدینہ پہونچ کر بیمار ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قبل ہی انتقال کر گئے۔

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوہر پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ پشتوں میں منتقل ہوتا ہوا بالآخر حضرت عبداللہ کے ذریعہ حضرت آمنہ کے بطن مبارک میں قرار پایا، پھر دنیا کے شرق وغرب میں جگمگایا۔ اللّٰھم صلِّ وسلم علیہ وعلی آلہ

رضاعت اور بچپن:-

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ حضرت آمنہؓ نے پھر ابولہب کی باندی ثویبہ(۹) نے دودھ پلایا، اس کے بعد عرب کے رواج (۱۰) اور طریقہ کے مطابق حضرت حلیمہؓ (۱۱) نے اپنے گود کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود سے مزین کیا، دو سال تک دودھ پلا کر مکہ مکرمہ واپس لائیں مگر مکہ میں آب وہوا کی خرابی کا بہانہ بنا کر پھر لے گئیں، چار سال کی عمر شریف تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش نصیب دایہ حضرت حلیمہؓ کی پرورش

---

(۹) ثویبہ دودھ پلانے کی وجہ سے آپ کی رضاعی ماں ہوگئی تھیں، آپ ان کا بڑا خیال رکھتے تھے، مدینہ منورہ سے بھی ان کے لئے ہدایا روانہ فرمایا کرتے تھے، فتح مکہ کے بعد ان کو اور ان کے بیٹے مسروح کو آپ نے تلاش کروایا تو معلوم ہوا کہ دونوں انتقال کر گئے ہیں، یہ تحقیق نہ ہوسکی کہ وہ مسلمان ہوئے یا نہیں؟ بعض علماء نے ان کو صحابیات میں شمار فرمایا ہے۔ (فتح الباری:۹/۱۱۸)

(۱۰) رواج یہ تھا کہ دیہات کی عورتیں شہر سے مالدار لوگوں کے بچوں کو لیجا کر اپنے بچوں کیساتھ دودھ پلاتی تھیں

پرورش میں رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص برکتوں (۱۲)، اور عجیب وغریب سعادتوں کی وجہ سے حلیمہؓ چاہتی تو یہی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی اپنے ہی پاس رکھیں، مگر "شقِ صدر" کے حیرت انگیز واقعہ سے گھبرا کر مناسب سمجھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو والدہ محترمہ کے حوالہ کردیں، چنانچہ ایسا ہی کیا۔

شقِ صدر کا واقعہ:۔ (۱۳)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ ہی کے گاؤں میں بچوں کے ساتھ کھیلنے اور بکریاں چرانے میں مشغول تھے کہ اچانک سفید کپڑوں میں ملبوس دو فرشتے آئے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چت لٹا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ چیرا اور قلبِ مبارک کو باہر نکال کر اس میں سے ایک سیاہ مادہ خارج کردیا، پھر زمزم کے پانی سے دھو کر اپنی جگہ رکھ دیا اور سینہ مبارک کو سی دیا، اس منظر کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی گھبرائے اور دوڑتے ہوئے گھر پہونچ کر والدین کو اطلاع کی، وہ لوگ دوڑ کر پہونچے مگر ان کے پہونچنے تک سب کچھ ہو چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف کو کھڑے کچھ اُداس سے نظر آرہے تھے، اس واقعہ سے حیران ہو کر ان لوگوں نے یہ طئے کیا کہ بہتر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے حوالہ کردیا جائے، مبادا کوئی اور حادثہ نہ پیش آجائے جس کی ذمہ داری ہمارے اوپر پڑ جائے۔ چنانچہ ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ لے جا کر حضرت آمنہ کے حوالہ کردیا ان کے وجہ دریافت کرنے پر پورا قصہ سنادیا، مگر حضرت آمنہ مطمئن رہیں اور اس طرح کے دوسرے واقعات سنا کر انہیں بھی اطمینان دلایا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں اس بچہ پر جن آسیب وغیرہ کا کوئی زور نہیں چل سکتا۔

جس کا معاوضہ ان کے سرپرستوں سے حاصل کرلیا کرتی تھیں، اس طرح ایک طرف بچوں کو دیہات کی صاف ستھری آب وہوا مل جاتی تھی، زبان صحیح ہوجاتی تھی تو دوسری طرف ان دودھ پلانے والیوں کی مالی مدد ہوجاتی تھی۔

(۱۱) مکہ اور طائف کے درمیان مکہ مکرمہ سے قریب ہی کے علاقہ میں ایک قبیلہ "ہوازن" کے نام سے آباد تھا اس قبیلے کی ایک شاخ "بنوسعد" کہلاتی تھی اسی سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون جن کا نام "حلیمہ" تھا آپ کو دودھ پلانے کے لئے اپنے وطن لے گئی تھیں۔ (ابن ہشام ۱/۱۱۰) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد حلیمہ ان کے شوہر اور بچے سب

حضرت آمنہ کا وصال:-

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چھ سال کی ہوئی تو حضرت آمنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ننھیال مدینہ گئیں جو اس وقت "یثرب" کہلاتا تھا، کچھ دن اپنے میکے میں قیام کر کے جب واپس ہو رہی تھیں تو مدینہ اور مکہ کے درمیان مقام "ابواء" پہنچنے کے بعد بیمار ہوگئیں اور سفر کے دوران یہیں انتقال فرما گئیں۔ والد محترم کا تو پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا مگر تقدیر کا لکھا ہوا بہر حال پورا ہونا تھا، کمسنی کی اس عمر میں آپ کو والدۂ محترمہ کی آغوشِ شفقت و محبت بھی چھوڑنی پڑی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کی باندی حضرت امِ ایمنؓ (۱۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکہ مکرمہ پہونچیں اور دادا عبدالمطلب کے حوالہ کر دیا۔

دادا بھی چل بسے:-

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ برس کے ہوئے تو خدا کا کرنا کہ دادا محترم کا سایۂ رحمت بھی سر سے اُٹھ گیا۔ جس وقت عبدالمطلب کا جنازہ لے جایا جا رہا تھا عبداللہ کا یہ آٹھ سالہ یتیم و یسیر بچہ جب اپنے دادا کے جنازہ کے پیچھے پیچھے آنسو بہاتے ہوئے چل رہا تھا، اُس وقت دنیا یہ تو دیکھ رہی تھی کہ اس کا اب دنیا میں ایک غریب اور عیالدار چچا کے علاوہ کوئی سہارا نہیں رہ گیا ہے، مگر یہ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ ظاہری سہاروں سے پے در پے محروم کئے جانے والا یہ بچہ ہی بیمار انسانیت کا مسیحا اور قیامت تک کے کمزوروں اور یتیموں کا سہارا ہونے والا ہے، یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کے رب کی طرف سے عزم و حوصلہ اور خود اعتمادی و خدا پرستی کی تربیت کے غیبی نظام کا ایک حصہ ہے۔

مسلمان ہوگئے تھے۔ (سیرت حلبیہ اردو: ۱/۸۱)

(۱۲) مثلاً جس گدھی پر سوار ہو کر حضرت حلیمہ مکہ آئی تھیں وہ بہت ہی مریل تھی، آپ کو سوار کرانے کے بعد وہ صحتمند اور مضبوط ہوگئی، اسی طرح جو اونٹنی ان کے ساتھ تھی جو خشک سالی کی وجہ سے بالکل سوکھ گئی تھی آپ کی برکت سے اسی دن سے وافر مقدار میں دودھ دینا شروع کر دی، اسی طرح یہ کہ جب یہ لوگ گاؤں پہونچے تو سارا گاؤں خشک ہونے اور کہیں چارہ نہ ہونے کے باوجود حلیمہ کی بکریوں کو چارہ مل جاتا تھا اور وہ دودھ سے بھری واپس آتی تھیں وغیرہ (ابن ہشام: ۱/۱۱۱)

چچا کی کفالت میں:-

عبدالمطلب نے مرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ ہی کی پسند سے اپنے بیٹے ابو طالب کے حوالہ کرکے انہیں خاص طور پر وصیت کی تھی کہ اس بچے کا ــــ جس کے ماں باپ دونوں انتقال کر گئے ہیں ــــ خاص خیال رکھیں، اسی لئے دادا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا خواجہ ابو طالب کے ساتھ زندگی گذارنے لگے تھے، چچا ابو طالب کے گھر منتقل ہونے کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا جان کی غُربت و جزمعاشی اور اس کے ساتھ ان کے بڑھاپے اور کمزوری کو دیکھا تو بہت متفکر ہوئے، اپنا غم بھول کر چچا کی مدد کرنے کی سوچ میں لگ گئے، بالآخر اس ننھّی سی عمر میں جوانوں کے حوصلوں کو پیچھے ڈالتے ہوئے مکہ کے ایک قبیلے والوں سے چند قیراط پر ان کی بکریاں چرانے کا معاملہ طئے کرلیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ ان کی بکریاں چَراتے اور شام کو اس کی مزدوری اپنے بوڑھے اور کمزور چچا کے حوالہ کرتے، تاریخ بتلاتی ہے کہ ابو طالب اگرچیکہ باپ کے انتقال کے بعد مکہ کے سردار چُن لئے گئے تھے مگر سردار مکہ کے بچے اس وقت تک اپنی بھوک مٹا نہیں پاتے تھے جب تک کہ ان کا یتیم و کم سن بھتیجہ اپنی مزدوری لا کر ان کو نہ دیتا تھا۔(۱۵)

غیبی تعلیم و تربیت:-

شاید حق تعالیٰ شانہ کو یہی منظور تھا کہ وہ موحد و متوکل ذات جو توحید و تسلیم کا پیغام لے کر تمام انسانوں اور جنات کی جانب مبعوث ہونے والی ہے وہ اپنی پرورش کیلئے کسی ٹوٹنے والے سہارے اور ختم ہوجانے والے آسرے کی محتاج نہ ہو براہِ راست خدا کی نگرانی میں اسی

(۱۳) شق صدر یعنی سینہ مبارک چاک کرکے آپ کے قلب مبارک کو نکالنے، صاف کرنے، اور دھونے کا واقعہ مختلف روایات کو سامنے رکھ کر کُل چار مرتبہ پیش آیا، پہلی مرتبہ بچپنے میں، دوسری مرتبہ دس سال کی عمر میں، تیسری مرتبہ بعثت سے قبل، اور چوتھی مرتبہ معراج سے قبل۔ (سیرۃ المصطفٰے ۱/۷۳ تا ۷۸)

(۱۴) اُم ایمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ کی باندی تھیں، آپ کو وراثت میں ملی تھیں آپ نے ان کا نکاح حضرت زیدؓ سے کردیا تھا، ام ایمن ہی اسامہؓ ابن زیدؓ کی والدہ تھیں۔ (نشر الطیب ص: ۳۷)

کی غیبی قوت وقدرت سے پوری خودداری و بے نیازی کے ساتھ پرورش کے مراحل طئے کرے۔ چنانچہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری تربیت میرے رب نے فرمائی ہے اور مجھے تعلیم بھی میرے رب نے ہی دی ہے اور اس نے مجھے بہت اچھی تربیت اور بہت ہی اعلیٰ تعلیم دی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن میں بھی نہ کبھی شرک کیا اور نہ کسی مشرکانہ عمل یا محفل میں شرکت فرمائی، نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کام نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے خاص دوستوں کو منع بھی فرمایا کرتے تھے، بتوں کے نذرانوں میں سے کچھ دیا جاتا تو اس کے کھانے سے انکار فرمادیا کرتے تھے، مشرکانہ افعال کی طرف غیر شریفانہ اعمال سے بھی سختی سے بچا کرتے تھے۔ مثلاً تعمیر کعبہ کے وقت حضرت عباسؓ نے پتھر اٹھانے کے لئے چادر کھول کر مونڈھوں پر رکھ لینے کا مشورہ دیا جو اس علاقہ کا عام رواج تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے ہی ارادہ کیا غشی طاری ہوگئی اور ایسا نہ کر سکے، اسی طرح مشرکین کعبہ کا برہنہ طواف کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی یہ عمل کیا اور نہ کبھی ان کے اس عمل کو پسند کیا۔ اسی طرح شادی کی محفلوں میں گانے باجے کا مکے میں عام رواج تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں شرکت کر کے دیکھنا بھی چاہتے تھے کہ کیا ہوتا ہے، مگر جب یہ پروگرام شروع ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی نیند لگ گئی کہ کچھ پتہ ہی نہ چلا، بیدار ہوئے تو محفل ختم اور صبح ہو چکی تھی۔ یہ سب حق تعالیٰ کی طرف سے کی جارہی غیبی تربیت کی برکت تھی۔

پہلا سفر اور بحیرا کی ملاقات:-

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارہ تیرہ برس کے ہوئے تو ابو طالب تجارت کے سلسلہ میں شام یعنی سیریا کے سفر کی تیاری فرمارہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اصرار کر کے ان کے ساتھ اس

(۱۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بکریاں چرانا بھی قدرتی تربیت کا ایک تکوینی حصہ تھا، یہ کام اللہ پاک نے دیگر انبیاء سے بھی لیا ہے، علماء نے اس کی بڑی مصلحتیں بیان کی ہیں، مثلاً اس سے کمزوروں پر شفقت، قوم کو جوڑنے کی صلاحیت، نادانوں کی ناقدری پر تحمل، راہِ خدا کی مشکلات پر صبر وغیرہ بے شمار صف پیدا ہوتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ اونٹوں اور گھوڑوں کی صحبت سے قلب میں سختی اور بکریوں کی خدمت سے رقت ونرمی پیدا ہوتی ہے۔

سفر میں شریک ہوگئے، راستہ میں ایک مقام "بُصریٰ" تھا، وہاں عیسائی مذہب کے ایک بڑے عالم "بُحیرا" نامی رہا کرتے تھے، جب آپ قافلہ کے ساتھ وہاں پہونچے تو بُحیرا راہب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ ایسی خوبیاں اور خاص باتیں دیکھیں، جن سے متأثر ہو کر سارے قافلہ والوں کی اپنے گرجا میں دعوت کی، دعوت کے بعد ابوطالب سے کہا کہ "اِس بچہ کی حفاظت کرنا اس کی بڑی شان ہونے والی ہے" ابوطالب نے ان کی بتلائی ہوئی باتوں کی روشنی میں مناسب یہی سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر میں آگے نہ لے جایا جائے، اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راستہ ہی سے کسی کے ساتھ مکہ مکرمہ واپس کردیا۔

واقعہ کی تفصیل :-

ہوا یہ کہ جب ابوطالب کا قافلہ حجاز سے گذر کر ملک شام میں داخل ہوا تو قافلے والوں نے معمول کے مطابق ایکمقام پر ایک درخت کے نیچے پڑاؤ ڈالا، اس جگہ مکے والے اپنے اونٹوں کے چارہ پانی اور اپنی ضروریات کے لئے ہمیشہ ہی ٹھیرا کرتے تھے، اس جگہ سے قریب ایک عیسائی عالم کی عبادت گاہ تھی، وہ کبھی کسی آنے جانے والے کی طرف توجہ نہیں کرتا تھا، لیکن اس دن اس نے دیکھا کہ قافلہ کے اترنے کے بعد درخت کی ٹہنیاں نیچے کی جانب جھک گئی ہیں، اور ابر کا ایک ٹکڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سورج کے درمیان ہو کر دھوپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روک رہا ہے، یہودی اور عیسائی علماء نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور ان کے ظاہر ہونے کی تمام علامات سے اس طرح واقف تھے جیسا کہ کوئی باپ اپنے بچے سے واقف ہوتا ہے۔ ان کیفیات کو دیکھ کر اس کی توجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مبذول ہوگئی۔ اس نے اپنے خادم سے کہہ کر جلدی سے کھانے پینے کی چیزوں کا انتظام کروایا، اور قافلے والوں کو دعوت دی، ان لوگوں کو بہت تعجب ہوا کیونکہ کبھی ایسا نہ ہوا تھا، بہرحال! ان لوگوں نے دعوت قبول کرلی اور جب راہب کے گھر جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کم عمر ہونے کی وجہ سے ساتھ لیجانا مناسب نہ سمجھ کر وہیں سامان کے پاس چھوڑ دیا،

جب سب لوگ اکھٹا ہو گئے تو راہب نے ان پر ایک کڑی نظر ڈالی اس کو ان لوگوں میں وہ انوار و برکات اور خاص علامات نظر نہ آئیں جو اس جگہ دکھائی دی تھیں، اس لئے معلوم کیا کہ کوئی آدمی رہ تو نہیں گیا؟ ان لوگوں نے کہا: ہمارے ساتھ ایک چھوٹا بچہ تھا اسے وہیں چھوڑ دیا ہے باقی سب موجود ہیں، راہب نے کہا نہیں! سب لوگ شریک ہوں بچہ بھی نہ چھوٹے! چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بلایا گیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے تو اس عیسائی عالم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار دیکھا قریب سے دیکھا، آنکھوں میں غور کیا، پیٹھ پر "مہر نبوت" کو دیکھا جب کھانے سے فراغت ہو گئی تو اس نے مزید اطمینان کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میں تم سے کچھ پوچھوں گا، تم کو لات و منات کی قسم ہے مجھے صحیح صحیح جواب دینا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے لات و منات کی قسم دے کر کچھ نہ پوچھو مجھے ان سے چڑھ ہے! اس نے کہا اچھا اللہ کے واسطے سے مجھے جواب دو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے واسطے ضرور بتلاؤں گا، جو چاہو پوچھو! اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پینے سونے اور جاگنے وغیرہ سے متعلق کئی سوالات کئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے جوابات دیدیئے، تو اس کو یقین ہو گیا کہ آپ ہی اللہ کے وہ آخری نبی ہیں جن کی ہر نبی نے خبر دی ہے اور اہل علم صدیوں سے انتظار کر رہے ہیں، اس کے بعد ابو طالب سے پوچھا کہ یہ بچہ آپ کا کیا لگتا ہے؟ انہوں نے کہا میرا بیٹا ہے؟ راہب نے کہا: غلط ہے، کیونکہ میرے علم کے مطابق اس کے باپ کا اس کی پیدائش سے پہلے انتقال ہو جانا چاہئے۔ تب انہوں نے کہا کہ ہاں یہ میرا بھتیجہ ہے، اور اس کے والد کا پہلے ہی انتقال ہو گیا ہے، اس پر اس نے بتلایا کہ انہیں گھر واپس کر دیجئے، آگے مت لیجائیے اس لئے کہ یہودی اس کو برداشت نہ کر سکیں گے۔

قابل فخر نوجوانی :-

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چودہ پندرہ سال کے ہوئے تو آہستہ آہستہ عام لوگوں کے ساتھ اختلاط، لین دین، معاملت و معاشرت ہونے لگی تھی، لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور

عادات واخلاق کی خاص شان کو حیرت کی نگاہوں سے دیکھتے اور تعجب کرتے رہتے تھے، سچائی، معاملات کی صفائی، دیانت داری، نرم مزاجی، غریبوں کا خیال، یتیموں پر شفقت، پڑوسیوں کا لحاظ، چھوٹے بڑوں کی رعایت، بیمار پُرسی اور انسانی ہمدردی جیسی صفات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حیرت انگیز کمال سے مکہ کے لوگ اس قدر متاثر ہو گئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بجائے آپ کے نام "**محمد**" سے پکارنے کے **الصادق** اور **الامین** یعنی سچے اور اچھے کے القاب سے یاد کیا کرتے تھے۔

سماجی خدمات کا جذبہ :-

جوانی کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچاؤں کے اصرار پر مکے والوں کی ایک جنگ میں حصہ لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑوں کی وجہ سے اس میں حصہ تو لیا لیکن لڑائی کسی سے نہیں کی، اس لڑائی کو **حربُ الفُجار** کہتے ہیں۔ اس جنگ کے بعد مکہ والوں نے روز روز کے جھگڑوں سے نجات پانے کیلئے آپس میں ایک امن معاہدہ کرنا طئے کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاہدہ میں بڑے شوق وذوق سے شرکت فرمائی، اس میں شرکت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مسرت تھی، اس کو "**حلف الفصول**" کہتے ہیں۔ بعد میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدے کو یاد کر کے فرمایا کرتے تھے کہ آج بھی اگر کوئی ایسے معاہدہ کی دعوت دے تو میں بہ خوشی قبول کرلوں گا۔ آپ کے اس ارشاد سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میں جہاد کا بھی اصل مقصد اللہ کی اس زمین پر امن کا قیام اور اللہ کے کلمہ کی سر بلندی ہے نہ کہ زور زبردستی اور ظلم وزیادتی، جیسا کہ آج کل دشمنانِ اسلام نے مشہور کر رکھا ہے۔

کاروبار کا آغاز :-

سترہ برس کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب سے اجازت لے کر اپنی تجارت کا آغاز فرمایا، عبداللہ بن ابی الحمساء اور قیس بن سائب وغیرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریکِ تجارت تھے، اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن وغیرہ کا سفر بھی فرمایا، لوگ جوانی کی

اس عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاجرانہ مہارت اور تجربہ، ذہانت وہوشیاری، معاملات کی صفائی، سنجیدگی وجفاکشی، خوش خلقی وخندہ پیشانی کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے اور داد دینے پر مجبور ہوتے تھے۔

سبق آموز حکایت:۔

اس زمانۂ تجارت کا ایک واقعہ عبداللہ بن ابی الحمساء بیان کرتے ہیں کہ ایک دن مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی سامان یا رقم پہونچانا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے کہا کہ میں یہیں آکر آپ سے ملوں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمالیا کہ میں انتظار کرتا ہوں، مگر جب گھر گیا تو کسی اور کام میں مشغول ہوگیا، یہ بات ذہن سے نکل گئی، تیسرے دن مجھے یاد آیا تو میں سٹ پٹایا اور جلدی سے اس جگہ پہونچا تو یہ دیکھ کر حیران اور پشیمان ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وعدہ کے مطابق اسی جگہ ٹھیرے انتظار فرمارہے ہیں، میں نے معذرت کی تو انہوں نے قبول فرمالی، بس اس قدر فرمایا "تم نے مجھے مشقت میں ڈالدیا میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں"

کامیاب تجارت:۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ذاتی وکاروباری خوبیوں کا علم قریش کی ایک نہایت دولتمند، شریف مزاج اور نیک نفس، خاتون خدیجہ کو ــــ جنھیں لوگ ان کی پاکبازی کے وجہ سے طاہرہ کے لقب سے یاد کرتے تھے ــــ ہوا تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرے ساتھ مضاربت (۱۶) پر تجارت کا ارادہ فرمائیں، میں آپ کو دوسروں کے مقابلہ میں نفع کا زیادہ حصہ پیش کروں گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول فرمالیا اور حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ (۱۷) کو ساتھ لے کر کاروبار کیلئے ملک شام تشریف لے گئے،

(۱۶) مضاربت: تجارت کا ایک طریقہ ہے کہ مال کسی کا ہو اور محنت کسی کی، جو بھی نفع آئے اس کو دونوں فریق طئے شدہ معاہدے کے مطابق تقسیم کرلیں۔ اسلام میں یہ ضروری ہے کہ یہ تقسیم فی صد کی بنیاد پر ہو متعینہ رقم کی بنیاد پر نہ ہو۔ (التعریفات للجرجانی ص:۲۴۵)

راستہ میں میسرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آنے والے عجیب وغریب واقعات کو دیکھ کر حیران وششدر رہ گئے ،اس سفر میں بڑی برکتیں رہیں،اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مالِ تجارت میں دوگنا نفع ملا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس کامیاب ترین تجارت سے واپس ہورہے تھےتو اس شان سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرمبارک پرفرشتے دھوپ سے حفاظت کیلئے اپنے پروں سے سایہ کئے ہوئے تھے، یہ کرشمہ حضرت خدیجہ ؓ اوران کی سہلیوں نے خوداپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا، پھران کے غلام میسرہ نے دورانِ سفرپیش آئے حیرت انگیز واقعات اورحالات اس قدرسنائے کہ حضرت خدیجہؓ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔

نسطورا کی شہادت:۔

سفر کے دوران جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ملک شام کے شہر بصریٰ پہونچے تو کچھ آرام لینے کیلئے ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھے، وہاں ''نسطورا'' نامی ایک راہب رہتا تھا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ عیسیٰ ابن مریمؑ کے بعد سے اب تک اس درخت کے نیچے آپ کے علاوہ کوئی نبی نہیں اترا، کیونکہ اس درخت کے نیچے انبیاء کے علاوہ کوئی نہیں ٹھیرتا، پھراس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت قریب سے اور بہت غور سے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھوں کی سرخی کودیکھ کر کہنے لگا ''یہ وہی نبی ہے، یہی آخری نبی ہے''

حضرت خدیجہ ؓ کا پیغام نکاح:(۱۸)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان خوبیوں وکمالات کی تفصیل حضرت خدیجہؓ کے چچا

(۱۷) میسرہ حضرت خدیجہ کے بااعتماد غلام تھےانہیں وہ اپنا مال لیجانے والوں کے ساتھ اپنے اطمینان کیلئے بھیجا کرتی تھیں، غالباًوہ دعوائے نبوت سے قبل ہی وفات پاگئے، مؤرخین فرماتے ہیں کہ صحابہؓ میں ان کا کہیں ذکرنہیں ملتا۔

(۱۸) حضرت خدیجہؓ بنت خویلد خاندان کے اعتبار سے قریشیہ تھیں، مکہ کے خواتین میں سب سے زیادہ شریف اور سمجھدار تھیں اللہ تعالیٰ نے مال ودولت بھی خوب عطا فرمائی تھی اور عقل وخرد میں بھی پختہ تھیں، قریش کے تاجروں سے اپنے مال کی مضاربت پر تجارت کروایا کرتی تھیں، انکی نیک سیرتی، پاکدامنی، اورخوشحالی کی وجہ سے ہرکوئی ان سے نکاح کامتمنی تھا۔(سیرۃ ابن ہشام:۱/۱۲۶)

ورقہ بن نوفل ـــــ جو عیسائی مذہب کے بڑے عالم اور بزرگ شخصیت تھے ـــــ کے علم میں آئی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی پیشین گوئی کی اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ جس سے حضرت خدیجہؓ کے ذہن و دماغ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا سکہ اور زیادہ جم گیا تھا، انھوں نے چاہا کہ کسی طرح اس عظیم الشان شخصیت اور با اخلاق و شریف ہستی کو اپنے گھر منتقل کرلیا جائے، اور انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریکِ حیات بننے، ہر طرح خدمت کرنے اور سب سے پہلے مسلمان ہونے کا شرف حاصل ہو جائے۔

نکاحِ مبارک :-

حضرت خدیجہؓ دو شوہروں سے بیوہ ہو چکی تھیں، (۱۹) اس کے بعد بھی قریش کے بڑے بڑے رؤسا و شرفا نے انھیں نکاح کا پیغام دیا تھا، لیکن ان کا دل اب تیسرے نکاح کیلئے آمادہ نہیں ہوتا تھا، اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اوصافِ جمیلہ، اخلاقِ حمیدہ اور غیبی نصرتوں سے متاثر و معتقد ہو کر خود نکاح کیلئے بے چین ہونے لگیں، اُنھوں نے اس دلی آرزو کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارکہ میں کسی پیغام رساں کے ذریعہ پیش کر دیا، آپ نے اپنے چچاؤں سے مشورہ کے بعد اس رشتہ کو منظور فرمالیا، خوش قسمت خدیجہؓ کے مکان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ یا ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح پڑھایا اور پانچ سو درھم یا بیس اونٹ مہر مقرر رہوا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا اور حضرت خدیجہؓ کا تیسرا نکاح تھا، پھر جب تک حضرت خدیجہؓ حیات رہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا نکاح نہیں فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادیں بھی ـــ سوائے حضرت ابراھیم کے ـــ سب حضرت خدیجہؓ ہی سے پیدا ہوئیں۔ (۲۰)

شادی کے بعد :-

شادی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم از دواجی زندگی کے تقاضوں اور خانگی ضرورتوں کو پورا

---

(۱۹) ۱۔ ابو ہالہ ابن زُرارہ تمیمی، ۲۔ عتیق ابن عائذ مخزومی۔ پہلے شوہر سے دو لڑکے اور دوسرے شوہر سے ایک لڑکی پیدا ہوئے تھے، ان میں سے ایک لڑکا ھند بن ابی ہالہ اسلام قبول کر کے صحابہ کرامؓ میں شمار ہوئے۔

کرنے کے علاوہ قومی رفاہی اور سماجی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے، بلکہ مکہ کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند کرداری کی وجہ سے ایسے کاموں میں آپ کی شرکت کو باعثِ سعادت سمجھتے تھے، نکاح کے بعد حضرت خدیجہؓ نے اپنا سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردیا تھا، جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاشی پہلو سے بھی کسی قدر بے فکری اور لوگوں کی خدمت و مدد کرنے میں مزید سہولت ہوگئی تھی، اسی زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ان کے چھوٹے بیٹے حضرت علیؓ کو اپنی کفالت میں لے لیا، نیز ایک اور بھتیجے کو اپنے دوسرے چچا حضرت عباسؓ کی کفالت میں رکھوادیا، حضرت خدیجہؓ ایک کم عمر غلام زیدؓ ابن حارثہ کو بیٹا بنا کر رکھ لیا، غرض یہ کہ شادی کے بعد اللہ تعالیٰ نے گھر کی سہولت، خدمت گذار بیوی کی رفاقت اور معاشی طمانینت نصیب فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ اور اسکے بندوں کی جانب اور زیادہ متوجہ ہوگئے، ایک طرف مذکورہ بالا رفاہی و سماجی خدمات میں لگ گئے تو دوسری جانب تنہائیوں میں حتی المقدور رجوع الی اللہ اور ریاضت و عبادات میں مصروف ہوگئے۔(۲۱)

خلقِ عظیم کے حامل:۔

یہ مصروفیات کس نوعیت کی تھیں ان کا اندازہ حضرت خدیجہؓ کے ان کلمات سے بآسانی ہوسکتا ہے جو انہوں نے پہلی وحی کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے چینی اور فکر مندی کو دیکھ کر بطور تسلی کے عرض کیا تھا: "اللہ کی قسم! اللہ پاک آپ کو ہرگز ضائع نہیں فرمائے گا، کیونکہ آپ رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں مقروضوں اور حاجتمندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کی خبر گیری فرماتے ہیں، یتیموں اور بیواؤں کی مدد فرماتے ہیں

---

(۲۰) حضرت خدیجہؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ا۔حضرت قاسم، طیب وطاہر بھی انہی کے نام بتلائے جاتے ہیں، ان ہی سے آپ کی کنیت ''ابوالقاسم'' ہوئی، ۲۔حضرت عبداللہ، ۳۔حضرت زینبؓ، ۴۔حضرت رقیہؓ ۵۔حضرت ام کلثومؓ ۶۔حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھم اجمعین۔ایک اور صاحبزادے حضرت ابراھیم، حضرت ماریہ قبطیہؓ سے پیدا ہوئے۔(البدایہ والنہایہ ۵/۳۰۷)

اور مہمانوں کی ضیافت واکرام کرتے ہیں وغیرہ" ظاہر ہے کہ یہ ایک آدھ موقع کی بات ہوتی تو حضرت خدیجہ ؓ ان صفات کو بطور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت وسیرت کے بیان نہ کرتیں، پھر یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ گھر میں رہنے والی بیوی کی یہ شہادت ہے تو باہر رہنے والے لوگ آپ کی ان صفات سے کس قدر واقف نہ تھے ہوں گے۔(۲۲)

کعبہ کی تعمیر :-

اسی دوران اہلِ مکہ نے کعبۃ اللہ کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کا ارادہ کیا، (۲۳) کیوں کہ کعبہ مکرمہ کی تعمیر مختلف وجوہات سے نہایت ضروری ہوگئی تھی ،موجودہ عمارت تعمیری اعتبار سے نامکمل بھی تھی ،انہی دنوں میں کعبۃ اللہ میں چوری کا ایک واقعہ بھی پیش آ گیا تھا، انہی دنوں کسی خاتون کی غفلت سے غلافِ کعبہ میں دھونی دینے کے دوران آگ لگ گئی تھی ،ادھر منجانب اللہ لکڑیوں سے لدی ہوئی ایک کشتی آندھی کے اثر سے جدہ کے ساحل سے ٹکرا گئی تھی ،قریش نے موقعہ غنیمت سمجھ کر کعبہ کی تعمیر کے لئے ان لکڑیوں کو خرید لیا،اسی کشتی میں ایک ماہر معمار بھی موجود تھا،قریش نے اسے بھی کام پر آمادہ کرلیا،بستی میں اعلان کر کے حلال وپاکیزہ رقم بھی جمع کر لی ، یہ تمام اسباب تو مہیا ہوگئے مگر یہ تشویش پھر بھی باقی تھی کہ آیا یہ کام اللہ تعالیٰ کو بھی منظور ہے یا نہیں؟ کافی سوچ بچار کے بعد آپس کے مشورہ سے بالآخر انہوں نے تعمیرِ جدید کا ارادہ کرلیا۔

آسمانی تائید:-

کعبۃ اللہ کی تعمیر سے قبل موجودہ عمارت کو گرانا ضروری تھا،قریش کعبہ کا بہت احترام

---

(۲۱) مکہ میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کی نسبت سے کچھ اچھے کام اور چھوٹے موٹے اعمال باقی تھے،مثلاً نماز، طواف، دعا، ذکر واذکار وغیرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم توحید اور اخلاق سے میل کھانے والے اعمال سے فطرتاً رغبت رکھتے اور ان پر عمل کرتے تھے۔

(۲۲) مولانا عبد الماجد دریابادیؒ نے اپنی دہریت کے دور میں ایک کتاب "سائیکالوجی آف لیڈر شپ'' کے عنوان پر لکھی تھی ،اس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ ایک کامیاب لیڈر کی حیثیت سے پسند کیا تھا، جب

کرتے تھے اور اس کی توہین سے ڈرتے رہتے تھے، انہیں یہ خوف تھا کہ کعبہ کو منہدم کرنے سے کوئی مصیبت اور بلا تو نہیں آجائیگی؟ اسلئے انہوں نے بہت احتیاط برتی، سب سے پہلے تو اس کام پر تمام اصحابِ رائے کا اجماع و اتفاق کیا، پھر اعلان کیا کہ اس کی تعمیر میں حلال وطیب مال ہی لگایا جائے، سود کا ظلم کا جوے کا اور اسی طرح کوئی بھی مشکوک مال اس میں شامل نہ کیا جائے پھر ایک شخص کے ذریعہ تھوڑا سا حصہ منہدم کرا کے ایک رات گذرنے کا انتظار کیا، پھر کعبۃ اللہ میں موجودہ تمام خزائن نکلوا کر ایک با اعتماد سردار کے پاس رکھوا دیئے گئے، جب یہ ساری تیاریاں ہوگئیں اور کام شروع ہونے والا تھا تو انہوں نے دیکھا کہ کعبۃ اللہ کے اندر خزانوں کا جو کنواں تھا اسمیں سے ایک اژدہا باہر آیا ہوا ہے اور وہ جب کسی کو دیکھتا ہے تو جسم کی رگڑ سے خوفناک آواز نکالتا اور منہ کھول دیتا ہے، ولید بن مغیرہ نے کہا ڈرو نہیں ہم لوگ سب کام صحیح طریقہ پر کر رہے ہیں، ہمارا مقصد اچھا ہے، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا۔ ان لوگوں نے مقامِ ابراھیم پر اللہ تعالیٰ سے خوب دعا کی کہ اس اژدہے سے نجات مل جائے، اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایک بڑا پرندہ بھیجا، اس نے اس اژدہے کو اٹھا کر اجیاد کی پہاڑی پر ڈالدیا، اس سے وہ لوگ سمجھ گئے کہ اس کام سے اللہ تعالیٰ ناراض نہیں ہے، اور کام شروع کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کارِ خیر میں بھرپور حصہ لیا، اپنے کندھوں پر پتھر ڈھو ڈھو کر معماروں تک پہونچاتے رہے۔

حجرِ اسود کا قضیہ:-

تعمیر کے دوران حجر اسود کا واقعہ پیش آیا کہ حجر اسود کو اُٹھا کر اس کی جگہ نصب کر

انہوں نے کتاب محمد علی جوہر کے پاس تبصرہ کیلئے بھیجی تو انہوں اس کتاب کی بعض خوبیوں کا اعتراف کرنے کے بعد اس گستاخی پر شدید تنقید کی، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیڈر کے بجائے سچے نبی ہونے کے ثبوت کے طور پر یہ بھی لکھا کہ "فریب باہر والوں کو دیا جاسکتا ہے، تصنع اور ابن الوقتی سے ان کے سامنے کام لیا جاسکتا ہے مگر یہاں حال یہ ہے کہ (دعوائے نبوت کی تصدیق) کرنے والے اور تسلی دینے والے سب سے پہلے وہی تھے جو محرمانِ راز تھے، (سوچنا چاہئے کہ) کم از کم یہ ہستی تو چالبازیوں سے پاک اور بالاتر تھی" (محمد علی جوہر ڈائری...ص ۳۵)

نے کا شرف حاصل کرنے کے لئے قریش کے خاندانوں میں اختلاف ہو گیا، اور نوبت قتل وقتال تک پہنچ گئی۔ یہی صورتحال تعمیر کا شرف حاصل کرنے کے سلسلہ میں بھی پیش آ گئی تھی، مگر ولید بن مغیرہ نے کعبہ شریف کی دیواروں کے حصے بنا کر مختلف قبائل کے ذمہ کر کے اس قضیے کو حل کر دیا تھا، مگر حجر اسود تو ایک چھوٹا سا پتھر تھا اس میں یہ ترکیب بھی نہیں چل سکتی تھی، بات جب حد سے گذر گئی تو ولید بن مغیرہ نے ایک تدبیر نکالی اور کہا کہ حرم محترم میں "باب بنی شیبہ" سے سب سے پہلے جو شخص داخل ہو اس کو حَکَم تسلیم کر کے اس کے فیصلے کے مطابق عمل کر لیا جائے، ولید کے اس مشورہ سے سب نے اتفاق کر لیا اور انتظار کرنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی پہلے شخص تھے جو اس دروازہ سے حرم میں داخل ہوئے، لوگوں نے آپ کو دیکھ کر مزید اطمینان کا سانس لیا اور معاملہ آپ کے سپرد کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر منگائی اور اس چادر پر اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو اٹھا کر رکھ دیا اور حکم دیا کہ تمام قبیلوں کے نمائندے اس کے اٹھانے میں شریک ہوں، پھر جب سب نے ملکر حجرِ اسود کو اس کی جگہ پر پہونچا دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر دیوارِ کعبہ پر نصب فرما دیا، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خداداد قوتِ فیصلہ اور حسنِ تدبیر سے اہلِ مکہ ایک خونریز جنگ سے نجات پا گئے۔ **اللھم صل وسلم علیه وعلیٰ آله۔**

شرک وکفر سے نفرت:۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن ہی سے ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ رکھا تھا، مکہ کا ماحول مشرکانہ ماحول تھا مگر اللہ تعالیٰ کے کرم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن ایک دیہات میں گذر گیا، باشعور زندگی بکریاں چَرانے میں آبادی کے باہر نکل گئی، جوانی تجارت کے سلسلہ میں مختلف علاقوں میں صرف ہوئی، شادی کے بعد قومی وملی وسماجی مسائل کے علاوہ خانگی

---

(۲۳) کعبۃ اللہ کو سب سے پہلے حضرت آدم وحوا علیہما السلام نے پھر حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام نے تعمیر کیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ۲/ ۲۷۷) اور بھی کئی تعمیرات کا ذکر ملتا ہے۔ تفصیل کیلئے "ساقی کوثرؐ" (۱/ ۴۴) ملاحظہ فرمائیں۔

مشاغل میں لگے رہے، اور جو وقت مکہ مکرمہ میں گذرتا اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کا طواف کیا کرتے تھے مگر نہ کبھی بتوں کی طرف توجہ کرتے نہ کبھی ان کو ہاتھ لگائے تھے، بلکہ ایک مرتبہ آپ کے غلام حضرت زیدؓ نے بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف کرتے ہوئے ایک بُت کو ہاتھ لگایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تنبیہ کی اور آئندہ کیلئے منع فرمادیا۔

خلوت وعزلت کی طرف رجحان:۔

پھر جیسے جیسے بعثت کا زمانہ قریب آتا جارہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر خلوت وتنہائی کا تقاضہ غالب ہوتا جارہا تھا، عجیب طرح کی بے چینی تھی جو دور نہیں ہورہی تھی، ایک پیاس تھی جو بجھ نہیں پارہی تھی، ان دنوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اچھے اچھے خواب دیکھتے تھے اور جو خواب میں دیکھتے بیداری میں اسی طرح پاتے تھے، یہ زمانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل نور کے "حرا" نامی ایک غار میں گذارا (۲۴) وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت (۲۵) میں منہمک رہتے تھے، کئی کئی روز کا توشہ ساتھ لے جاتے، ختم ہوجاتا تو گھر تشریف لاتے پھر چلے جاتے، کبھی حضرت خدیجہؓ خود آپ کا کھانا پہنچا آتی تھیں، تین سال تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔

پہلی وحی کا نزول:۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے چالیس سال مکمل ہو چکے تو ایک دن اسی غار میں ایک فرشتہ کو دیکھا جس کے ہاتھ میں ریشم کا کپڑا تھا، یہ جبرئیل امین تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کپڑے پر لکھی عبارت دکھلا کر فرمارہے تھے کہ "اس کو پڑھئے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۲۴) اس غار میں سے کعبۃ اللہ بالکل سامنے نظر آتا تھا اور آپ کے جد امجد حضرت ابراھیمؑ بھی اسی میں بیٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے، اسی طرح عبدالمطلب بھی اسی میں عبادت کیا کرتے تھے۔

(۲۵) غارِ حرا میں آپ کس قسم کی عبادت کرتے تھے روایات میں اس کا ذکر نہیں ہے، بعض علماء کا خیال ہے کہ ذکرِ الٰہی اور مراقبہ فرماتے تھے، بعض علماء کی تحقیق یہ ہیکہ اس زمانہ مکاشفاتِ صالحہ اور رویائے صادقہ کا سلسلہ تو چل ہی رہا تھا اس میں جو باتیں آپ پر منکشف ہوتیں کہ یہ انبیاءِ سابقین کا طریقہ ہے تو آپ اسی کے مطابق عمل فرمالیتے ہوں گے۔ (درمختار: ۱/۱۶۳)

فرمایا میں دیکھ کر پڑھنا نہیں جانتا کیسے پڑھوں؟ (۲۶) انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سینے سے لگا کر دبوچا پھر فرمایا پڑھو، اسی طرح تین بار ہوا، تیسری بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا پڑھوں؟ تب جبرئیل امین نے سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیتیں ـــــ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ (۲۷) ـــــ پڑھ کر سنائیں، یہ کلمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر نقش ہو گئے جب جبرئیل خاموش ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پڑھ دیئے، جبرئیل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو نماز کی عملی مشق کرائی، (۲۸) اس کے بعد اطلاع دی کہ "آپ اللہ کے رسول ہیں، میں جبرئیل ہوں" یہ رمضان المبارک کی سترھویں تاریخ دوشنبہ کا دن اور صبح کا سہانا وقت تھا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک صحیح قول کے مطابق چالیس سال تھی۔

احساسِ ذمہ داری:-

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس زبردست ذمہ داری اور اس کی اہمیت کو محسوس فرما کر سہمے اور گھبرائے ہوئے حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: مجھے اڑھادو، مجھے اڑھادو، حضرت خدیجہؓ نے اس بے چینی کی وجہ پوچھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا قصہ کہہ سنایا اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے، حضرت خدیجہؓ نے خوب تسلی دی اور عرض کیا کہ: "آپ کو بشارت ہو، آپ ہرگز مت ڈریئے، خدا کی قسم اللہ پاک آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، ناداروں کی خبر گیری فرماتے ہیں، بے کسوں اور بیواؤں کی مدد فرماتے ہیں مہمان نوازی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہ کرے گا" (۲۹)

---

(۲۶) ما انا بقارئ کی علماء نے کی مختلف توجیہات کی ہیں، میں نے ان میں سے صرف ایک توجیہ اختیار کی ہے۔
(۲۷) ترجمہ: پڑھو اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا، پیدا کیا انسان کو خون کی ایک پھٹکی سے، پڑھو تمہارا پروردگار بہت مہربان ہے، جس نے قلم سے علم سکھایا، انسان کو وہ سب کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔
(۲۸) یہ دو رکعت نماز تھی جو صبح و شام پڑھی جاتی تھی، پھر جب آپ کو معراج ہوئی تو پنجوقتہ نمازیں اس میں فرض ہوئیں۔

ورقہ بن نوفل کی تصدیق :-

حضرت خدیجہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی تو دی مگر اس صورتحال کی طرف سے فکر مند بھی ہو گئیں، ان کے چچازاد بھائی "ورقہ بن نوفل" (۳۰) شرک چھوڑ کر اس وقت کے سچے مذہب "عیسائیت" کو اختیار کئے ہوئے اور اس مذہب کا علم حاصل کئے ہوئے تھے، بہت بوڑھے تھے، حضرت خدیجہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے پاس لے کر گئیں، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ کی پوری تفصیل سنی اور اس کے بعد فرمایا "یہ جو صاحب آئے تھے وہ اللہ کا فرشتہ ہے، جو انبیاء کرام کے پاس ہی آتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، آپ کو نبوت مبارک ہو، جس وقت قوم آپ کو وطن سے بے وطن کرے گی کاش کہ اس وقت تک میں نصرت کے قابل رہتا تو ضرور نصرت کرتا"۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے پوچھا: کیا میری قوم مجھے بے وطن کریگی ؟ انہوں نے کہا: "ہاں ! کوئی بھی شخص جب وہ پیغام لے کر آتا ہے جو آپ لے کر آئے ہیں تو قوم اس کی مخالفت شروع کر دیتی ہے"

سب ہی جانتے تھے مگر :-

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متعلق خبر تو اللہ کے حکم سے تمام انبیاء حضرت آدمؑ علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سبھی دیتے آرہے تھے، اور جیسے جیسے زمانۂ بعثت قریب آتا جارہا تھا اس زمانہ کے اہلِ علم وخبر کی گفتگو میں کسی نہ کسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک نکل ہی جاتا تھا، بالخصوص یہود ونصاریٰ تو بہت تفصیل سے آپ کی ولادت، شکل وشباہت، نبوت، ہجرت اور سیرت وغیرہ کے بارے میں لوگوں کے سامنے ذکر کرتے

---

(۲۹) اس جگہ کسی کو یہ خیال ہوسکتا ہیکہ جب حضرت خدیجہؓ کو اس قدر اطمینان تھا تو آپ کو کیوں نہ ہوا؟ بات اصل میں یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے سامنے آپ کے مقام کی بلندی اور سیرت کی صداقت تھی جو اطمینان کا سبب تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدنظر حق تعالیٰ کی عظمت اور کارِ نبوت کی نزاکت تھی جو یقیناً فکر وتشویش کی وجہ تھی۔

(۳۰) ورقہ بن نوفلؓ پہلے مشرکین ہی میں سے تھے، مگر شرک وبت پرستی سے بیزار تھے، اسی لئے اپنا آبائی دین چھوڑ کر عیسائیت اختیار کی تھی، جو اس زمانہ میں آخری آسمانی مذہب تھا، حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

رہتے تھے، اخیر میں تو یہ لوگ بڑی شدت و بے چینی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا انتظار بھی کرنے لگے تھے، مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو گیا اور وہ بھی ان ساری علامات وآیات کے ساتھ جنہیں وہ جانتے تھے اور بیان کرتے تھے تو ان میں سے اکثر لوگ آپ پر ایمان لانے میں عار محسوس کرنے لگے، اور بغض وحسد کے شکار ہو گئے۔ (۳۱) اسی طرح مکہ کے مشرکین میں کچھ لوگ جو کاہن تھے وہ بھی جنات کے ذریعہ معلوم کردہ آسمانی آثار وقرائن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بہت کچھ کہتے رہتے تھے۔ (۳۲)

مثلاً مدینہ کے ایک قبیلہ بنی عبد الاشھل میں ایک یہودی رہتا تھا، وہ ایک دن اپنے گھر سے باہر نکلا اور ایک جگہ بیٹھ کر لوگوں کے سامنے قیامت، بعثت بعد الموت، حساب وکتاب، میزانِ عدل، اور جنت دوزخ وغیرہ کا تفصیل سے ذکر کیا، سامعین مشرکین تھے، انہیں ان باتوں پر یقین نہیں تھا، ان لوگوں نے پوچھا: کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ سب ہونے والا ہے، کیا لوگ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ اس نے کہا: بیشک جانتا ہوں۔ پھر ان لوگوں نے پوچھا: اس کی دلیل کیا ہے؟ اس نے کہا: وہ ہستی جو اس علاقہ میں ظاہر ہونے والی ہے، ان لوگوں نے پوچھا: وہ کب ظاہر ہوں گے؟ تو اس نے مجلس میں موجود ایک بچے کی طرف اشارہ کرکے کہا: اگر یہ بچہ اپنی عمر پوری کرلے تو یہ ان کو اپنی زندگی میں دیکھ سکتا ہے۔ وہ بچہ حضرت سلمہ بن سلامہ ؓ تھے، وہ فرماتے ہیں کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اس وقت یہ یہودی عالم زندہ تھا، ہم لوگ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے مگر وہ ایمان نہ لایا، ہم نے اسے یاددہانی بھی کرائی کہ تم ہی نے تو ان کے بارے میں پیشین گوئی کی تھی تو اس نے اس کا اعتراف کیا مگر بات کو ٹال دیا۔

انہیں جنت کے اندر سفید کپڑوں میں ملبوس دیکھا۔ (البدایہ النھایۃ ۳/۹)

(۳۱) اللہ تعالیٰ نے انہی کے بارے میں فرمایا ہے: كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَاءَ هُمْ مَا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ یعنی یہ وہ لوگ شروع میں کافروں (یعنی بت پرستوں) کے خلاف (اس کتاب کے حوالہ سے) اللہ سے فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے، مگر جب وہ چیز آ گئی جسے انہوں نے پہچان بھی لیا تو اس کا انکار کر بیٹھے، پس پھٹکار ہے اللہ کی ایسے کافروں پر! (البقرہ: ۸۹)

اسی طرح مدینہ منورہ کے ایک قبیلہ بنوقریظہ میں ایک یہودی عالم ملک شام کے علاقہ سے آ کر رہنے لگے تھے، بہت ہی نیک اور صالح تھے، لوگ ان سے اپنے لئے دعائیں کرواتے تھے، اور وہ مقبول ہوتی تھیں، متعدد مرتبہ ان کی دعا سے مدینہ میں بارشیں ہوئیں، جب ان کی موت کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے یہودیوں سے کہا: آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ میں سرسبز وشاداب ملک کو چھوڑ کر اس بھوک و پیاس کے ملک میں کیوں آیا؟ ان لوگوں نے کہا: آپ ہی کو بہتر معلوم ہے، انہوں نے کہا: میں دراصل یہاں اس نبی کے انتظار کے لئے آیا تھا جس کے ظہور کا زمانہ قریب آ گیا ہے، یہ شہر ان کی ہجرت کی جگہ ہے، میں چاہتا تھا کہ وہ میری زندگی میں ظاہر ہو جائیں تا کہ میں ان کی اتباع کرلوں کیونکہ اب ان کا ظہور بس سر پر ہی آ گیا ہے۔ دیکھو جب وہ یہاں آ جائیں تو تم ان سے کبھی مقابلہ نہ کرنا کیونکہ تم میں ان کے مقابلہ کی طاقت ہی نہیں ہے۔

چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوقریظہ کے مقابلہ کا حکم فرمایا تو ان کے کچھ نوجوانوں نے یہودیوں کو اس اللہ والے کی وصیت یاد دلائی مگر یہود نہ مانے، البتہ یہ نوجوان مسلمان ہو گئے۔

اسی طرح مکہ میں ایک یہودی تجارت کیلئے مقیم تھا، جس شب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اس نے قریش سے معلوم کیا کہ آج رات کیا کوئی لڑکا پیدا ہوا ہے؟ ان لوگوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو کہا کہ تحقیق کر کے بتاؤ! کیونکہ آج رات اس امت کا نبی پیدا ہوا ہوگا! جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی اطلاع ملی تو جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی مہر نبوت کو دیکھا، اور کہنے لگا کہ اب نبوت بنی اسرائیل سے چلی گئی، اور قریش سے کہا کہ یہ بچہ پورے

---

(۳۲) کاہن وہ لوگ کہلاتے ہیں جن کا جنات سے تعلق ہوتا تھا، جنات اس زمانہ میں آسمانوں تک چلے جاتے تھے اور فرشتوں کی باہمی گفتگو سے کچھ ادھوری باتیں سن کر کاہنوں کو بتلاتے تھے، کاہن اسے دیگر احوال و تجربات سے جوڑ کر لوگوں کو بتلایا کرتے تھے، کبھی صحیح نکل جاتیں کبھی غلط بھی ہو جاتیں، لیکن نزول قرآن کے وقت اللہ تعالیٰ نے اس کی خصوصی حفاظت کیلئے جنات کے آسمانوں کی طرف جانے کے راستے پر ستاروں کا پہرہ بٹھا دیا۔ اب تو وہ ادھوری خبریں بھی نہیں لائی جاسکتی ہیں۔ (دیکھئے سنن ترمذی: ۳۲۲۴)

علاقے پر غالب ہو کر رہے گا۔ جہاں تک عیسائی علماء کا تعلق ہے تو خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا: میں تم لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں، گذشتہ کتاب توراۃ کی تصدیق کرنے والا اور ایک خاص رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آنے والے ہیں اور ان کا نام ''احمد'' ہے۔

اسی طرح عداس، ورقہ بن نوفل، بُحیرا، نسطورا، یہ لوگ عیسائی علماء ہیں جنہوں نے آپ کو دیکھ کر آپ کے نبی آخرالزماں ہونے کی واضح طور پر تصدیق کی۔

اسی طرح ہرقل روم کے بادشاہ نے بھی جب آپ کا دعوت نامۂ اسلام اس کے پاس پہونچا تو صاف کہا کہ میں پہلے سے جانتا ہوں کہ وہ ظاہر ہونے والے ہیں، مگر مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ عربوں میں سے ہوں گے، میں ان تک پہونچ سکتا تو ان کے پاؤں دھوتا، یہ سب کہا مگر مسلمان نہیں ہوا۔

اسی طرح حضرت حلیمہؓ جب پہلی مرتبہ آپ کو لے کر مکہ آرہی تھیں تو حبشہ کے کچھ عیسائی راستہ میں مل گئے تھے، جنہوں نے آپ کو دیکھ کر اپنی گود میں لیا، بوسہ دیا اور بتلایا کہ وہ لوگ آپ کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں، اور یہ کہ آپ بہت بڑی شان والے آدمی ہیں۔ رہ گئے مکے کے کاہن اور نجومی تو اگرچہ شریعت اسلامی میں ان کی خبروں کا کوئی اعتبار نہیں مگر ان لوگوں کے بھی آپ کی پیدائش سے قبل اور پیدائش کے بعد بے شمار پیشین گوئیاں تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

اسی طرح جنات کی طرف سے وقتاً فوقتاً پھیلائی گئیں متعدد خبروں کا بھی ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ اس وقت لوگ جن ذرائع معلومات پر اعتماد کرتے تھے وہ سب آپ کی نبوت اور معجزانہ شان کی توثیق میں ایک زبان و ایک بیان تھے، ماننا اور جاننا چاہنے والے کیلئے ان میں سے ایک بھی کافی تھی مگر جنہیں نہ ماننا تھا اور نہ جاننا تھا ان کے

لئے آثار وعلامات اور علم وعقل کے ہزاروں دفتر بھی بیکار تھے۔ تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں۔

گھر والوں اور دوستوں کو اطلاع:-

نبوت ملنے کے فوراً بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ توحید ورسالت کا آغاز فرمادیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر مردوں میں سے صدیق اکبر ؓ نے، عورتوں میں سے خدیجۃ الکبریٰ ؓ نے، بچوں میں سے علی مرتضیٰؓ نے، غلاموں میں سے زیدؓ ابن ثابت نے، باندیوں میں سے ام ایمن ؓ نے پہلے پہل لبیک کہا اور مسلمان ہوئے (۳۳) حضرت ابوبکر ؓ نے تو مسلمان ہونے کے بعد اپنے دوستوں میں بھی تبلیغ ودعوت کا آغاز کردیا تھا، ان کی کوششوں سے مزید چند افراد آغوشِ اسلام میں آ گئے، اُن دنوں مسلمان مصلحتاً اپنے اسلام کو مخفی رکھتے اور کسی پر ظاہر نہیں کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے وہ بھی گھاٹیوں میں یا جہاں موقع ملتا خاموشی سے نماز ادا کرلیا کرتے تھے، اس وقت تک شریعت ابراھیمی کے مطابق صبح اور شام دو وقت کی نماز ہوا کرتی تھی۔

دارِ ارقم یا مرکزِ دعوت:-

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوچ کر کہ اپنے متبعین سے اجتماعی ربط رکھنے اور ملاقات کرنے کا کوئی متعین مقام ہونا چاہئے اسکے لئے حضرت ارقم ؓ کے گھر کو مرکز بنایا، صحابہ ؓ کی کوشش سے جن لوگوں کا ذہن بن جاتا انہیں یہیں لایا جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بیعت کر کے اسلام میں داخل فرماتے۔ اسلام کے اس سب سے پہلے مرکزِ دعوت میں مکہ کی بعض نہایت اہم شخصیتوں نے اسلام قبول کیا، حضرت عثمان بن عفان ؓ، حضرت حمزہ ؓ، حضرت عمر ؓ، حضرت زبیر بن عوام ؓ، حضرت ارقم ابن ارقم ؓ حضرت خباب ؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ، حضرت عمار ؓ، حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ وغیرہ جیسی شخصیتیں اس مرکزِ اسلام سے مستفید ہوئیں، اس وقت

---

(۳۳) ہر جنس میں سے کسی کو اول دکھانے کی یہ توجیہ امام اعظم رحمہ اللہ کی دیدہ وری ہے۔

دیکھئے (البدایہ والنھایہ ۳/۳۱)

تک جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور جو لوگ اسلام کو سمجھنا چاہتے تھے وہ سب یہیں آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل لیا کرتے تھے، حضرت ارقمؓ کا یہ مکان صفا پہاڑ سے قریب میں واقع تھا۔ پھر جب حضرت عمرؓ ایمان لے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ جہاں چاہتے جمع ہو جاتے تھے۔

زمانۂ فترت:۔

پہلی وحی کے بعد کافی دنوں تک کوئی وحی نہیں آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے انتظار میں بے چین رہا کرتے تھے، اس قدر بے چین کہ کبھی کبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر وہاں سے گر جانے کا خیال آجاتا تھا، مگر جب یہ خیال آتا تو فوراً جبرئیلؑ نمودار ہو کر عرض کرتے: "اے محمد! آپ اللہ کے سچے رسول ہیں" یہ سنکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکون ہو جاتا اور جذبات تھم جاتے، ان دنوں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستوں اور پہاڑیوں سے گذرتے تو بے جان مخلوق بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے **السلام علیک یا رسول اللہ** کہتی تھی، انہی دنوں ایک دفعہ آپ کہیں جا رہے تھے کہ آسمان سے آواز آئی، آپ نے سر اٹھا کر دیکھا تو حضرت جبرئیل آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھے نظر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے گھر واپس ہو گئے اور فرمانے لگے "**زملونی زملونی**" مجھے چادر اڑھا دو، مجھے چادر اڑھا دو، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کیفیت کو دیکھ کر اسی انداز سے مخاطب فرمایا، حضرت جبرئیل سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات لے کر پہونچے، (۴۴) جن میں دعوت و تبلیغ کا عام حکم مذکور ہے۔

کھلے عام تبلیغ و دعوت:۔

دعوتِ توحید و ایمان کا یہ سلسلہ خاموش اور خفیہ طریقہ پر تین سال تک چلا، تین سال

(۴۴) يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ، وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ، وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ، وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ یعنی اے چادر اوڑھنے والے! (صلی اللہ علیہ وسلم) اٹھئے اور لوگوں کو ڈرائیے، اپنے پروردگار کی تعریف بیان کیجئے، اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے، برائی سے علاحدہ رہئے (المدثر: ۱تا۷)

کے بعد اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ علی الاعلان اور کھلے عام اللہ کا پیغام لوگوں کو سنانا شروع کر دیں، بطور خاص اپنے رشتہ داروں کو دعوت دینے کا حکم بھی دیا گیا،(۳۵) اس حکم کی تعمیل کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن کوہِ صفا پر چڑھے اور قبائلِ قریش کو نام بنام پکارا، جب سب لوگ جمع ہو گئے تو اپنے سچے ہونے کی پہلے خود ان لوگوں کی زبانوں سے تصدیق کروائی، جب ان لوگوں نے اعتراف کیا کہ " آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جھوٹ بولتے ہی نہیں" اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " میں اللہ کا رسول ہوں اگر تم نے میری تصدیق نہیں کی تو میں تم کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدنصیب چچا " ابولہب" یہ سن کر بہت بھڑکا اور آپ کے ساتھ بدتمیزی اور سخت کلامی کی، اس کے جواب میں سورہ تبت یدا نازل ہوئی۔(۳۶)

دعوتِ اسلام بر دعوتِ طعام :-

اسی سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور کوشش فرمائی، حضرت علیؓ کے ذریعہ سے گوشت، دودھ وغیرہ منگوا کر چند رشتہ داروں کیلئے دعوتِ طعام کا انتظام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں کے علاوہ خاندان کے چالیس افراد نے اس میں شرکت کی، کھانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان لوگوں کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کرنا چاہا تو ابولہب سب کو وہاں سے اٹھا کر لے گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے سے باز رکھا۔ دوسرے دن آپ نے پھر دعوت دی اور دعوتِ طعام کے ساتھ دعوتِ اسلام بھی مختصر مگر جامع انداز میں پیش کر کے پوچھا کہ کون کون اس کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں؟ مگر کسی نے قبول نہیں کیا، حضرت علیؓ اس وقت کم سن تھے مگر اس منظر کو دیکھ کر کہ کوئی جواب نہیں دے رہا ہے۔ کھڑے

(۳۵) وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَکَ الْاَقْرَبِيْنَ یعنی اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذابِ الٰہی سے ڈرایئے۔ (الشعراء: ۲۱۴)

(۳۶) ابولہب کی طرح اس کی بیوی ام جمیل بھی آپؐ سے بہت بغض رکھتی تھی، آپ کی راہ میں آگ بچھاتی تھی، سورۃ اللھب میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کے لئے دنیا و آخرت کی رسوائی اور عذابِ شدید کی وعید سنائی ہے۔
(ابن کثیر ۱/۵۲۵)

ہوئے اور واضح طور پر کہا کہ میں اگر چہ سب سے چھوٹا اور کمزور ہوں مگر میں اس دین کو قبول کرتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کا وعدہ کرتا ہوں۔

عوام الناس پر آپ کی دعوت کا اثر:۔

رشتہ داروں کا ردعمل تو اس طرح تکلیف دہ سامنے آیا کہ ایک بھی ماننے کو تیار نہ ہوا مگر مکے کے عام لوگ جب تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے متاثر ہوتے اور اسلام قبول کرتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور کمال شرافت کا سکہ تو پہلے ہی سے لوگوں کے قلوب پر جما ہوا تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے گلی کوچوں سے لے کر بازاروں اور بھرے مجمعوں میں تک رشتہ داروں کی عداوت اور سرداروں کی مخالفت سے آزاد و بے پروا ہو کر یہ اعلان فرمانا شروع کر دیا کہ "لوگو! لا الہ الا اللّٰہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے" تو ان کے قلوب آپ کی طرف مائل ہونے لگے اور رفتہ رفتہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا، دیکھتے دیکھتے ایک اچھی خاصی تعداد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اطراف جمع ہو گئی، جن میں اگر چہ اکثر کمزور اور غریب طبقے کے لوگ تھے مگر معتبر و با اثر لوگوں کی بھی ایک اچھی تعداد ہو گئی تھی۔

مالداروں پر اس کا اثر:۔

جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ والوں کو خفیہ طور سے اسلام کی دعوت دیتے رہے قریش کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ زیادہ چھیڑ چھاڑ نہیں کی اور معاملہ کو زیادہ اہمیت نہیں دی، مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھلے عام دعوتِ اسلام دینے لگے، بُت پرستی اور کفر و شرک کے کاموں سے واضح طور پر منع فرمانے لگے تو قریش کے تمام قبائل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت و مخالفت پر آمادہ ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی دعوت کو روکنے کی ہر ممکن تدبیر میں لگ گئے، خفیہ مشورے کرتے رہے، جب کچھ بھی نہ بن پڑا تو یہ طئے کیا کہ سب پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب کی حمایت سے محروم کر دینا چاہیئے، تاکہ ہم براہِ راست مخالفت کر کے

انہیں کمزور و بے اثر کر سکیں ۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ان لوگوں نے تین دفعہ سرداروں کے وفد کی صورت میں ابو طالب سے ملاقات کر کے اپنا مدعا پیش کیا۔

ابو طالب سے سردارانِ مکہ کی پہلی ملاقات :۔

چونکہ ابو طالب ۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کے باوجود ۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہیں کرتے تھے بلکہ ہر طرح حفاظت کیا کرتے تھے، اس لئے سردارانِ قوم کا ایک نمائندہ وفد ان کے پاس پہونچا اور ان سے کہا کہ ’’آپ کا بھتیجہ ہمارے بتوں کو غلط کہتا ہے، ہمیں احمق و بیوقوف کہتا ہے، نیز ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ بتلاتا ہے، ہماری آپ سے خواہش یہ ہے کہ یا تو آپ اس کو اسلام کی دعوت سے روک دیں یا پھر ہمارے حوالہ کر دیں، ہم خود اس سے نمٹ لیں گے‘‘ ابو طالب نے ان کی باتیں نہایت نرمی و سنجیدگی سے سن لیں اور انھیں سمجھا بجھا کر واپس کر دیا، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کام سے روکا اور نہ ان کے حوالہ کیا۔

دوسری ملاقات :۔ (۳۷)

کچھ دنوں کے بعد ان لوگوں نے پھر ابو طالب سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ ’’پانی اب سر سے اونچا ہو چکا ہے، ہمارے لئے آپ کے بھتیجے کی باتیں ناقابلِ برداشت ہوگئی ہیں، آپ کی شرافت و بزرگی کے احترام میں ہم کوئی انتہائی قدم نہیں اٹھا پا رہے ہیں، مگر اب ہم آپ کو یہ اطلاع دینے کیلئے آئے ہیں کہ اگر آپ نے اپنے بھتیجے کو منع نہیں کیا اور انہیں ہمارے مذہب کی مخالفت سے باز نہیں رکھا تو ہم ان سے مقابلہ کے لئے تیار ہو جائیں گے، ہم دونوں میں سے کوئی ایک فریق ضرور ہلاک ہو جائے گا‘‘ اس مرتبہ قوم کی بڑھتی اور بھڑکتی ہوئی عداوت و دشمنی کو دیکھ کر ابو طالب بھی متفکر ہوئے اور انھوں نے آپ

---

(۳۷) ملاقاتوں کی یہ ترتیب محض تخمینی ہے یقینی نہیں، البتہ یہ واقعات سب ’’سیرت ابن ہشام‘‘ وغیرہ میں موجود ہیں گو اس ترتیب سے نہ سہی۔ ان کے علاوہ بھی اور واقعات ہیں، طوالت کے خوف سے ترک کر دئے گئے ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر سارا واقعہ سنایا اور کہا کہ: ”پیارے بھتیجے! تم اپنے آپ پر اور مجھ پر رحم کرو، اور بڑھاپے کی اس عمر میں اپنے چچا کے شانوں پر ناقابلِ برداشت بوجھ مت ڈالو“۔ چچا کی یہ باتیں سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی خودداری کے ساتھ فرمایا: ”چچا جان! خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیں تو بھی میں اپنا کام ترک نہیں کروں گا یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب ہو جائے یا پھر میں ہلاک ہو جاؤں“۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب سن کر ابو طالب نے کہا کہ بیٹا! تم جو چاہو کرو میں تمہیں کبھی دشمن کے حوالہ نہ کروں گا۔ چنانچہ آپ حسبِ معمول اپنا مشن جاری رکھے رہے۔

تیسری ملاقات :-

قریش کے سردار تیسری دفعہ ابو طالب کے پاس پہونچے اور ایک نیا فارمولہ ساتھ میں لے گئے، ابو طالب کی خدمت میں قریش کے ایک نہایت حسین و ہوشمند لڑکے کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ: ”اگر آپ اپنے بڑھاپے میں ایک جوان اور سمجھدار و مددگار بھتیجے کے چھوٹ جانے کے خطرہ سے ہماری شکایت کی طرف توجہ نہیں دے رہے ہیں اور ہماری ہر درخواست کو نظر انداز کر رہے ہیں تو آپ اس بچہ کو **محمد** کے بدلے میں لے لیں اور **محمد** کو ہمارے حوالہ کر دیں“ ابو طالب یہ سن کر غصہ میں آ گئے اور انہوں نے کہا یہ عجیب بات ہے کہ میں تمہارے بچہ کو اپنی کفالت میں لے کر کھلاؤں پلاؤں پرورش کروں اور اپنے بھتیجے کو ہلاک کرنے کے لئے تمہیں دیدوں! ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، جاؤ تمہیں جو کرنا ہو کر لو۔

قریش کے سردار نبی کریم ؐ کی خدمت میں :-

سردارانِ قریش نے جب دیکھا کہ ابو طالب پر اس سلسلہ میں ہماری کسی بات اور کسی دھمکی کا اثر نہیں ہو رہا ہے اور ان سے ہمیں کوئی مدد نہیں مل رہی ہے تو ان سے مایوس ہو گئے اور باہمی مشورہ سے یہ طئے کیا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست بات کر کے کوئی سمجھوتے کی کوشش کی جائے، چنانچہ یہ سب سردار حرم میں ایک جگہ جمع ہوئے اور کسی

کے ذریعہ آپ کو اپنے پاس بلوالیا، آپ چونکہ ان لوگوں کی ہدایت کے بہت خواہش مند تھے اسلئے فوراً چلے آئے اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے، انہوں نے عرض کیا: "اے محمد! ہم پوری قوم کی طرف سے تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں، تم نے جو صورتحال پیدا کردی ہے آج تک کسی شخص نے ہمارے لئے ایسے سخت حالات نہیں بنائے، تم ہمارے معبودوں کو بُرا کہتے ہو، ہمارے باپ دادا کو گمراہ ٹھیراتے ہو، ہمارے بزرگوں کو بے وقوف کہتے ہو، تم نے ہمارے درمیان تفرقہ ڈالدیا ہے، غرض کوئی ایسی برائی نہیں جو تم نہ لائے ہو، اب ہم تم سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ آخر تم اپنی اس دعوت کے ذریعہ چاہتے کیا ہو؟

پہلی تجویز اور اس کا جواب:-

تمھارے اس دعوے سے مقصود مال جمع کرنا ہے تو ہم تمہیں ڈھیر سارا مال دے دیں گے، اگر سرداری اور برتری کے خواہشمند ہو تو بتلاؤ، ہم تمہیں اپنا پیشوا اور سردار تسلیم کرلیں گے، اگر تمہیں بادشاہت کی آرزو ہے تو ہم تم کو باشاہ بنادیں گے، اور اگر تمہارے پاس یہ خبریں لانے والا کوئی جن ہے جو تم پر غالب آگیا ہے تو ہم تمہارے علاج اور اس سے چھٹکارے کا انتظام کردیں گے خواہ اس پر کتنا ہی صرفہ کیوں نہ آئے، غرض! تم جو چاہتے ہو ہم وہ کردیں گے بس شرط یہ ہے کہ تم اپنی اس دعوت کو بند کرو اور اپنے اس نئے دین کا سلسلہ ختم کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتوں کو توجہ اور صبر سے سنا، پھر پورے اطمینان سے انہیں جواب دیتے ہوئے فرمایا: "مجھے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں جن کا تم نے ذکر کیا ہے، نہ میں مال کا خواہشمند ہوں، نہ مجھے کوئی مرتبہ چاہئے، نہ مجھے حکومت کی ہوس ہے، بات صرف یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، مجھ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے، مجھے حکم ہے کہ میں تمہیں فرمانبرداری کرنے کی صورت میں خوشخبری سناؤں اور نافرمانی کی صورت میں اس کے عذابِ الیم سے ڈراؤں" میں نے اپنے رب کا پیغام تم کو

پہونچا دیا ہے، اور تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے، اب اگر تم اس کو قبول کر لو گے تو یہ تمہاری دنیا اور آخرت کا نفع مند سودا ہوگا اور اگر اس پیغام کو ٹھکرا دو گے تو میں انتظار کرتا ہوں اللہ کے اس حکم کا جو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے"

دوسری تجویز اور اس کا جواب :-

قریش کے سرداروں نے جب دیکھا کہ آپ کے اندر مال ومتاعِ دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے تو انہوں نے ایک اور تجویز سامنے رکھی " تم جانتے ہو کہ ہم لوگوں سے زیادہ دنیا میں کوئی بدحال، تنگ معاش، اور پانی سے محروم کوئی قوم نہیں ہے، اگر تم سچے ہو تو اپنے رب سے کہو کہ وہ مکہ کے ان پہاڑوں کو پیچھے ہٹا دے جن کی وجہ سے آبادی تنگ ہوگئی ہے تا کہ ہمارا شہر وسیع ہو جائے، اور اس میں شام وعراق کی طرح نہریں جاری ہو جائیں ، اور ہمارے آباء واجداد کو پھر سے زندہ کر دے ، بالخصوص قصی ابن کلاب کو کیوں کہ وہ ہمارے بہت سچے بزرگ تھے ، پھر اگر یہ لوگ زندہ ہو کر تمہاری تصدیق کریں تو ہم بھی تمہیں مان لینگے"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس احمقانہ مطالبہ کو سننے کے بعد ارشاد فرمایا: میں ان کاموں کے لئے نہیں بھیجا گیا ہوں، جس کام کیلئے میں بھیجا گیا ہوں اس کی دعوت تم کو دے دیا ہوں اگر تم لوگوں نے اس کو مان لیا تو دنیا وآخرت میں تمہاری بھلائی ہے، ورنہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم آنے تک انتظار کرتا رہوں گا۔

تیسری تجویز اور اس کا جواب :-

وہ لوگ کہنے لگے: "اگر تم یہ بھی نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنی ذات کیلئے اللہ تعالیٰ سے کچھ خصوصیات مانگ لو کہ وہ تمہارے ساتھ ایک فرشتہ کو کر دے جو تمہاری باتوں کی تصدیق کرتا رہے، اور ہم سے تمہاری حفاظت کرتا رہے، اور یہ کہ تمہارے پاس باغات محلات اور خزانے ہو جائیں تا کہ تم ان ضرورتوں کے سلسلہ میں دوسروں کے محتاج نہ رہو، کیونکہ اب تو تم

ہماری طرح بازار جاتے ہو اور ہماری ہی طرح روزی روٹی کے اسباب اختیار کرتے ہو۔ اگر تم ایسا کرسکو تو ہوسکتا ہے کہ ہم تمہاری قدرومنزلت کے اعتراف پر مجبور ہو جائیں"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں یہ سب نہیں کروں گا اور نہ ہی میں ان کاموں کیلئے مبعوث ہوا ہوں، میری بعثت کا مقصد صرف یہ ہے کہ میں تم لوگوں کو اللہ واحد کی عبادت کی طرف بلاؤں اور ماننے اور نہ ماننے کے انجام سے آگاہ کردوں، اگر تم لوگ میری بات مان لوگے تو دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو جاؤ گے اور اگر نہ مانو گے تو میں صبر کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی فیصلہ فرمادے"۔

چوتھی تجویز اور اس کا جواب:-

وہ لوگ کہنے لگے: "یہ بھی نہیں کرتے تو یہی کردو کہ تمہارے رب سے کہہ کر ہمارے سروں پر آسمان گرادو، جیسا کہ تمہارا خیال ہے کہ وہ چاہے تو ایسا کرسکتا ہے، جب تک ایسا نہ ہوگا ہم تمہارے اوپر ایمان نہیں لائینگے"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ کا معاملہ ہے وہ اگر تمہارے ساتھ ایسا کرنا چاہے گا تو کرے گا، نہیں تو نہیں، میرا اس میں کوئی دخل نہیں، مجھے جو کہنا تھا کہہ دیا، اگر مانو گے تمہارا بھلا ہوگا، نہیں تو تمہارا ہی نقصان ہے۔

جب ان لوگوں کی ان نامعقول باتوں سے کوئی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنی اور ہر بات کے جواب میں اپنی دعوتِ توحید و رسالت ہی کو پیش کرتے اور اسکو ماننے نہ ماننے کا انجام بتلاتے رہے تو ان لوگوں نے کہا: ہم تمہاری کسی دعوت کو قبول نہیں کرتے، ہمارا یقین ہے کہ تمہارے پاس فرشتہ ورشتہ کوئی نہیں آتا، یمامہ میں رہنے والا "الرحمٰن" نامی ایک شخص ہے جو تم کو یہ سب باتیں سکھا رہا ہے، ہم اس کو کبھی نہیں مانیں گے، اور تمہارا پیچھا بھی نہیں چھوڑیں گے تا آنکہ ہم تمہیں ہلاک کردیں یا تم ہمیں ہلاک کردو۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھ کر چلے گئے اور آپ کی طبیعت پر ان کی ضد اور ناقدری کا بڑا اثر رہا۔ (۴۸)

صحابہ کرامؓ پر ظلم وستم :-

مشرکین مکہ نے جب دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتِ اسلام سے روکنے کے لئے نہ ابوطالب سے مدد مل رہی ہے نہ آپ کسی قسم کی لالچ وترغیب سے متاثر ہورہے ہیں، ادھر اسلام ہے کہ بڑھتا ہی جارہا ہے تو انہوں نے بات چیت کا راستہ چھوڑ کر ظلم وزیادتی کا حربہ اختیار کرلیا، صحابۂ کرامؓ پر طرح طرح کی مصیبتیں اور اذیتوں کے پہاڑ ڈھانے لگے۔ مثلاً

☆ حضرت بلالؓ حبشی النسل اور امیہ بن خلف کے غلام تھے، جب وہ اسلام لائے تو ان کے آقا اُمیہ نے ان پر بہت ظلم کیا، اس نے اپنے غلاموں کو حکم دے رکھا تھا کہ جب دھوپ تیز ہوجائے تو بلال کو گرم پتھروں پر لٹا کر ان کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جائے تاکہ حرکت بھی نہ کرسکیں، ان کی پیٹھ جل جل کر داغدار ہوگئی تھی، حضرت بلالؓ اس ستم کو سہتے تھے مگر اُف نہ کرتے تھے، وہ کہتا تھا: بلال! اگر خیریت چاہتا ہے تو محمد کے دین کو چھوڑ کر ہمارے دین پر لوٹ آ، ورنہ اسی طرح تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔ حضرت بلالؓ کی زبان پر اسکے جواب میں احد احد کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تھا، ایک دن حضرت ابوبکرؓ ادھر سے گذرے تو بلال کی یہ کیفیت دیکھ کر بے چین ہوگئے اور امیہ سے کہا "تو اس غریب کے معاملہ میں اللہ سے نہیں ڈرتا، کب تک اسی طرح ظلم کرتا رہے گا؟" اس نے کہا آپ ہی نے تو اس کو خراب کیا اور بے دین بنایا ہے، آپ ہی اس کا حل نکالیں، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کو ان کے آقا سے خرید کر آزاد فرمادیا، تب جاکر ان کی یہ مصیبت ختم ہوئی۔

☆ حضرت یاسرؓ قحطان کے رہنے والے تھے، مکہ مکرمہ آکر بس گئے تھے، یہیں شادی کرلی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد یہ اپنے پورے گھرانے ــــ بیٹے عمار، عبداللہ، اور بیوی سمیہ ــــ کے ساتھ اسلام میں داخل ہوگئے تھے، چونکہ مکہ

---

(۳۸) ان کوششوں میں ایک کوشش سمجھوتے والی بھی تھی کہ ایک سال ہم آپ کی خدا کی عبادت کریں گے اور ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کرلیا کریں، آپ نے صاف انکار کردیا اور اللہ تعالیٰ نے "سورہ کافرون" نازل فرمائی جس میں اس سمجھوتے سے مسلمانوں کی برأت کا اعلان کردیا گیا۔ (ابن کثیر ۴/ ۵۲۴)

میں ان کا کوئی خاندان قبیلہ نہ تھا جو ان کی مدد کر سکے اس لئے قریش مکہ نے اس پورے گھرانے پر سخت مظالم کو روا رکھا، دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت میں ان کو لٹا کر اس قدر مارتے کہ بے ہوش ہو جاتے، کبھی پانی میں غوطے لگاتے، کبھی انگاروں پر لٹائے جاتے، کبھی لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں کھڑے کئے جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ دیکھتے تھے مگر وہ دور بڑا مشکل دور تھا، آپ ان کو دعائیں دیتے، صبر کی تلقین کرتے اور جنت کی بشارت دیتے رہتے تھے۔

☆ حضرت سمیہؓ حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں، ان پر بھی بوڑھی عورت ہونے کے باوجود بہت ستم ڈھائے گئے، ایک دن حسب معمول لوہے کی زرہیں پہنا کر ان لوگوں کو دھوپ میں ٹھیرایا ہوا تھا، اتنے میں ابوجہل ادھر سے گذرا تو اس بدنصیب نے اس بوڑھی عورت کی شرمگاہ پر صرف مسلمان ہونے کے جرم میں ایک برچھی اس زور سے ماری کہ اسی وقت شہید ہو گئیں، اس خاتون کو اسلام کی سب سے پہلی شہیدہ کا شرف حاصل ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب سے ابوجہل سے اسی دنیا میں انتقام لیا، بدر کی جنگ میں ابوجہل جہنم رسید ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ کو خوشخبری سنائی کہ تمہاری ماں کے قاتل کو اللہ تعالیٰ نے قتل فرما دیا۔(۳۹)

☆ حضرت خبابؓ ابتدائی مسلمانوں میں سے ہیں، یہ ام انمار کے غلام تھے، ام انمار آپ کو سخت اذیتیں پہونچاتی تھی، ایک دن دھکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر ایک شخص کو ان کی سینہ پر کھڑا کر دیا تا کہ حرکت بھی نہ کر سکیں۔

---

(۳۹) خواتین اسلام کیلئے یہ کتنی بڑی عزت کی بات ہے کہ جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دینی شروع فرمائی تو سب سے پہلے آپ نبوت و دعوت کو حضرت خدیجہؓ نے قبول کیا، جب نبی اپنے ہی وطن میں دعوائے نبوت کی وجہ سے اجنبی بنا دیئے گئے اور طرح طرح سے ستائے جاتے تھے تو آپ کی دیکھ ریکھ اور منہ ہاتھ دھلانے کا شرف حضرت زینبؓ کو حاصل ہوتا تھا، جب راہِ خدا میں جان دینے کی باری آئی تو سب سے پہلے جامِ شہادت نوش کرنے کی توفیق حضرت سُمیہؓ کو ہوئی۔ عورتیں اس پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ صحیح ہے لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ.

☆ابوفکیہہ صفوان بن امیہ کے غلام تھے، انہیں بھی ان کا آقا ناقابلِ تصور اذیتوں میں مبتلا کرتا تھا، کبھی زنجیروں میں باندھ کر گرم ریت پر گھسیٹتا اور کبھی بیڑیاں پہنا کر جلتی زمین پر الٹا لٹا دیتا تھا، ایک مرتبہ اسی حال میں گلا گھونٹ رہا تھا کہ صدیق اکبرؓ نے دیکھ لیا، آپ کو رحم آیا تو خرید کر آزاد فرما دیا۔

☆حضرت زنیرہؓ عمر فاروق کی باندی تھیں، اسلام سے قبل انہوں نے ان پر بہت سختیاں کی تھیں، ابوجہل بھی ستاتا تھا، مگر وہ پوری ثابت قدمی سے اپنے دین وایمان پر قائم رہیں، اذیتوں کی شدت سے آنکھوں کی بینائی چلی گئی تھی، پھر اللہ کے حکم سے معجزاتی طور پر واپس آ گئی۔

معزز لوگ بھی زد میں تھے :-

یہ حضرات تو خیر غلام اور کمزور لوگ تھے جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا، ان بدنصیبوں نے اسلام دشمنی میں اپنی قوم کے باعزت اور صاحبِ مرتبہ لوگوں کو بھی نہیں بخشا، مثلاً ☆ صدیق اکبرؓ چونکہ مکہ کے شریف و بااخلاق لوگوں میں سے تھے، تاجر تھے اور بہت عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے مگر جب وہ ایمان لے آئے تو مکہ والوں کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ شخصیت بن گئے، ان ظالموں نے ایک مرتبہ انہیں اور حضرت طلحہؓ کو رسیوں سے باندھ کر جکڑ دیا تھا، ایک مرتبہ جب حضرت ابوبکرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین سے چھڑانے کے لئے مجمع میں گھس پڑے تھے تو مشرکین غیض وغضب کے عالم میں ان پر بھی جھپٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ زخمی ہو گئے۔

☆اسی طرح حضرت ابوذر غفاریؓ اپنے قبیلے میں بڑی حیثیت کے آدمی تھے، جب وہ اسلام لائے تو حرم میں جا کر اپنے اسلام کا اعلان کیا، مشرکین نے انہیں اس قدر مارا کہ زمین پر گر پڑے، حضرت عباسؓ نے بیچ بچاؤ کر کے بچا لیا۔

☆ولید بن ولید اور عیاش بن ابی ربیعہ کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا واقعاتِ ہجرت

کے ضمن میں آگے آرہا ہے۔

☆ حضرت عثمانؓ کو کسی اور نے نہیں خود ان کے چچا نے رسیوں سے باندھ کر پٹائی کی۔

☆ حضرت زبیرؓ بن العوام کو ان کے چچا چٹائی میں لپیٹ کر آگ کی دھونی دیا کرتے تھے۔

یہ چند واقعات بطور نمونہ کے ذکر کئے گئے ہیں، ورنہ اسلام لانے اور اسلام کی نصرت ومدد کرنے کے سلسلہ میں اُن حضرات کے صبر واستقامت کے بے شمار واقعات ہیں، ان عبرتناک واقعات کا مطالعہ ایمان کی تازگی اور یقین کی مضبوطی کیلئے بے حد مفید ہے۔ اللہ اکبر! کیسی قربانیوں کے بعد اسلام کو سر بلندی نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی طرف سے حضراتِ صحابۂ کرامؓ کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔

نبی کریمؐ سے عداوت ودشمنی:-

مکہ والے عام اور خاص مسلمانوں کے علاوہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہر طرح تکلیف اور مصیبت میں مبتلا رکھتے تھے، کوئی آپ کو کاہن کہتا تو کوئی ساحر کہتا، کوئی آپ کو جنون وپاگل پن کا طعنہ دیتا تو کوئی کہتا کہ آپ سلطنت وحکومت کے شوق میں یہ سب کر رہے ہیں۔ ابوجہل اور ابولہب تو ہاتھ دھو کے پیچھے پڑ گئے تھے، جس وقت آپ کلمہ **لا الہ الا اللہ** کی دعوت کو لے کر لوگوں اور بازاروں میں نکلتے تو کوئی گالیاں دیتا تھا، کوئی سرِ مبارک پر خاک ڈالتا تھا، کوئی پتھر مارتا تھا اور کوئی آپ کے دروازے پر نجاست ڈال جاتا تھا، ایک مرتبہ عتبہ بن ربیعہ نے گلے میں پھندا ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ دم گھٹنے لگا اور آپ گھٹنوں کے بل زمین پر گر پڑے، ایک مرتبہ قریش نے اس قدر مارا کہ آپ بے ہوش ہو گئے، ایک مرتبہ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے ابوجہل کے حکم سے ایک شخص نے آپ کی پشتِ مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی لا کر رکھ دی اور سب مل کر ہنسنے لگے، بے چاری حضرت فاطمہؓ نے اپنے ننھے مُنے ہاتھوں سے اپنے والد کی پیٹھ سے اس بوجھ کو ہٹایا۔ ایک مرتبہ دوستوں کے

ورغلانے سے عُقبہ نے آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا۔

حضرتِ حمزہؓ کا اسلام:۔

ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی کے پاس سے گذر رہے تھے اتنے میں ابو جہل بھی وہاں سے گذرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر نہایت سخت کلامی سے پیش آیا، آپ کے دین کو بُرا بھلا کہا، اور کچھ بدتمیزی بھی کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش سنتے رہے اور اس کی بداخلاقی کا کوئی جواب نہیں دیا، یہ تماشا ابن جدعان کی باندی دیکھ رہی تھی اس سے رہا نہ گیا، اس نے حضرت حمزہؓ کی واپسی کے بعد سارا واقعہ ان سے کہہ سنایا، حضرت حمزہؓ کی رگِ حمیت پھڑک گئی، ابو جہل حرم میں بیٹھا ہوا تھا، اس کے پاس پہنچ کر اپنی کمان کا مٹھ اس کے سر پر زور سے مارا اور کہا کہ تو میرے بھتیجے کو گالیاں دیتا ہے؟ سن لے! آج سے میں خود بھی اس کے دین پر ہوں، پھر آپ کے پاس آکر اپنے اسلام کی خوشخبری سنائی اور عرض کیا کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب اللہ کے دین کو علی الاعلان ظاہر کریں، کسی کی پروانہ کریں"۔ حضرت حمزہؓ مکہ کے بااثر نوجوان تھے، ان کا مسلمان ہونا کفارِ مکہ پر بہت گراں گذرا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اسلام کے ذریعہ شوکت وقوت پہونچائی۔(۴۰)

حضرت عمرؓ کا اسلام:۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے مخصوص حالات اور اسلام دشمنی میں دن بہ دن اضافہ کے مدنظر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ "اے اللہ! عمرؓ بن الخطاب یا عمر بن ہشام یعنی ابو جہل جیسے بااثر افراد کے ذریعہ اسلام کی نصرت و مدد فرمائے"، یعنی انہیں اسلام کی ہدایت دید یجئے

(۴۰) حضرت حمزہؓ اس وقت جذبات میں اپنے اسلام کا اعلان تو کر دیا تھا، مگر کہتے ہیں کہ جب گھر پہونچا تو میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے آتے رہے کہ میں نے اپنا دین چھوڑ کر کچھ غلط اقدام تو نہیں کیا، رات اسی تناؤ میں گذر گئی، صبح سے قبل میں حرم میں پہونچا اور معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا، اسی وقت دل تمام وساوس سے خیال ہو گیا، جب صبح ہو گئی تو میں آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سب سرگذشت سنادی، آپ نے مجھے دعائیں دیں کہ اللہ تعالیٰ استقامت نصیب فرمائے۔(سیرۃ المصطفےٰ ۱/۱۸۲)

تاکہ ان کے اثر ورسوخ کے ذریعہ کمزور مسلمانوں کو کفار کے ظلم سے بچایا جاسکے اس کے جواب میں اللہ پاک کی طرف سے عمر بن خطاب کی ہدایت کا فیصلہ ہوا، حضرت عمرؓ مکہ مکرمہ کے بہت ہی طاقتور، بارعب، اور بااثر آدمی تھے۔ شروع شروع میں مسلمانوں کی مخالفت اور ایذارسانی میں وہ بھی شامل تھے، اللہ کا کرنا یہ کہ ان کی بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعیدؓ بن زید نے اسلام قبول کرلیا مگر حضرت عمرؓ کے ڈر سے اس کو مخفی رکھا، حضرت خبابؓ فاطمہ کے گھر جا کر انہیں قرآن سناتے اور یاد کراتے تھے، ایک دن حضرت عمرؓ اپنی تلوار لہراتے ہوئے بڑے جوش سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے کہ آج تو ان کا خاتمہ ہی کردوں گا راستہ میں حضرت ابونُعیمؓ سے ملاقات ہوگئی، انہوں نے پوچھا: عمر کیا ارادہ ہے؟ کہنے لگے: "محمد کے قتل کا ارادہ ہے، کیوں کہ اس شخص نے قریش میں تفریق ڈالدی ان کے عقل مندوں کو بیوقوف قرار دیا، ان کے دین کو غلط کہا ان کے خداؤں کو باطل بتلایا" ابونعیم نے کہا: تمہیں اپنے گھر کی تو خبر نہیں کہ گھر کے لوگ اسلام میں داخل ہورہے ہیں، چلے ہو محمد کو قتل کرنے! عمر نے پوچھا: گھر میں کون مسلمان ہوگیا؟ انہوں نے بتایا کہ تمہاری بہن اور بہنوئی خود مسلمان ہوچکے ہیں، حضرت عمرؓ غصے میں بھرائے ہوئے اپنی بہن کے گھر پہونچے، وہاں حضرت خبابؓ ان لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دے رہے تھے، عمر کی آہٹ محسوس کرکے حضرت خبابؓ چھپ گئے، وہ صحیفہ بھی چھپا دیا گیا، لیکن حضرت عمرؓ قرآن کا پڑھنا سن چکے تھے، گھر میں داخل ہوتے ہی بہنوئی سے مواخذہ کرتے ہوئے ان سے بھڑ پڑے، بہن شوہر کو بچانے کے لئے بیچ میں آئی تو اسے ایک طمانچہ رسید کردیا، یہ صورتحال دیکھ کر بہن اور بہنوئی نے صاف کہہ دیا کہ ہم دونوں مسلمان ہوچکے ہیں تمہارا جو جی چاہے کرلو حضرت عمرؓ نے زخمی بہن کو دیکھا تو نرم پڑ گئے اور کہا کہ وہ صحیفہ مجھے دکھلاؤ؟ بہن نے دیدیا انہوں نے اس کو پڑھنا شروع کیا، یہ صحیفہ سورۂ طٰہٰ پر مشتمل تھا، عمر کا دل قرآن کریم پڑھ کر بہت متأثر ہوا، اور اسلام کی جانب جھک گیا، حضرت خبابؓ جو چھپے ہوئے تھے باہر نکل آئے اور خوشخبری

سنائی کہ کل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری ہدایت کے لئے دعا فرمائی تھی، غرض! ان لوگوں کے ساتھ مل کر حضرت عمرؓ دارِ ارقم پہونچے، جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خواص صحابہؓ موجود تھے حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر سب کو تشویش ہوئی، حضرت حمزہؓ نے کہا آنے دو، اگر وہ بھلائی کے ارادہ سے آئے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ انہی کی تلوار سے ان کو نمٹا دیا جائیگا، اندر داخل ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی چادر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا "اللہ پر اس کے رسول پر اور اسکی کتاب پر ایمان لاتا ہوں" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر نعرۂ تکبیر بلند کیا، اور تمام مسلمانوں نے بھی بہ یک زبان تکبیر کہی، صحابہ کرامؓ میں عمرؓ کے اسلام سے خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ رضی اللہ عنھم

یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ببانگِ دہل اپنے اسلام کا اعلان کیا، اور خُدا کے گھر میں سب سے پہلے جماعت کے ساتھ نماز ان کے قبولِ اسلام کے بعد ہی ادا کی گئی، ان کے مسلمان ہونے سے قریش اور بھی جل بُھن گئے لیکن خدا جسے رکھے اسے کون چکھے؟

ہجرت حبشہ :-

ان مظلوم و مجبور اور بے بس مسلمانوں کی حالت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی، پہلی مرتبہ ۱۱؍ مرد اور پانچ عورتوں نے چھپ کر مکہ مکرمہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کی، مگر ایک غلط فہمی کی وجہ سے یہ حضرات مکہ واپس آگئے، وہ غلط فہمی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی ہجرت کے بعد ایک دن حرم شریف میں نماز پڑھ رہے تھے، نماز میں آپ نے "سورۃ النجم" کی تلاوت فرمائی جب آیتِ سجدہ پر پہونچے تو تمام مسلمان سجدہ میں گر گئے، مشرکین جو وہاں موجود تھے وہ بھی آیاتِ قرآنیہ کے اثر سے اور مسلمانوں کے فوراً سجدہ میں گر جانے کے ماحول سے مرعوب ہو کر سجدہ میں گر گئے، تمام حاضرین جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ میں تھے تو یہ خبر مشہور ہو گئی کہ مکہ والے سب کے سب مسلمان ہو گئے ہیں، حالانکہ ایسا نہ تھا، یہی خبر ہوتے ہوتے حبشہ

پہونچ گئی، مہاجرین خوشی میں اپنے وطن واپس آگئے، مگر جب ظالموں کا پھر یہی ستم شروع ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ حکم دیا کہ وہ حبشہ چلے جائیں، اس مرتبہ چھیاسی مرد اور سترہ عورتوں نے ہجرت فرمائی۔

مشرکین نے وہاں بھی نہ چھوڑا:-

مشرکوں نے شاہِ حبشہ نجاشی کو بھی گمراہ کرنا چاہا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ مشرکینِ مکہ نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان ان کے مظالم سے بچ کر اور دوسرے ملکوں میں پناہ لے کر آرام سے رہ رہے ہیں تو انہیں ڈر ہوا کہ کہیں اس طرح اسلام دبنے کے بجائے مزید پھیل نہ جائے ، اس لئے انہیں وہاں سے واپس بلا لینا چاہیئے تا کہ اسلام مکہ ہی تک محدود رہ جائے ، اور ہم ان پر ظلم وزبردستی کر کے انہیں دوسروں کے لئے عبرت بناتے رہیں، چنانچہ انہوں نے ایک وفد عمر بن عاص کی قیادت میں قیمتی ہدایا وتحائف کے ساتھ بادشاہ حبشہ "نجاشی" کے دربار میں بھیجا ، انہوں نے یہ ہدایا بادشاہ کے سامنے پیش کر کے اس سے یہ درخواست کی کہ ہمارے علاقہ کے کچھ بے وقوف غلام اپنی قوم کا دین چھوڑ کر بلکہ بے دین ہو کر آپ کے ہاں چلے آئے ہیں ، یہ لوگ نہ اپنے باپ دادا کے دین پر ہیں نہ انہوں نے آپ کے دین کو قبول کیا ہے ، بلکہ وہ ایک ایسے دین کے پیرو ہو گئے ہیں جس کو نہ آپ جانتے ہیں نہ ہم اس سے واقف ہیں ، اسلئے آپ انہیں ہمارے حوالہ فرمادیں تا کہ ہم ان لوگوں کو اپنے وطن واپس لے جاسکیں۔

مگر بادشاہ نیک مزاج اور انصاف پسند تھا ، اس نے مشرکین کی اس شکایت کے بارے میں تحقیقات کو ضروری سمجھا ، اس لئے مسلمانوں کو دربار میں طلب کر کے اس کی حقیقت معلوم کی۔

حضرت جعفرؓ کے تین سوال :-

جب مسلمان دربار میں پہونچے تو حضرت جعفرؓ نے بادشاہ سے خواہش کی کہ میں ان

لوگوں سے تین سوال کرنا چاہتا ہوں، نجاشی نے اجازت دی تو حضرت جعفرؓ نے پوچھا: کیا ہم کسی کے غلام ہیں اور اپنے آقاؤں سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں؟ عمر بن عاص نے کہا: آپ لوگ کسی کے غلام نہیں ہیں بلکہ آزاد اور شریف لوگ ہیں! حضرت جعفرؓ نے پوچھا: کیا ہم کسی کا ناحق خون کر کے آئے ہیں؟ عمر بن عاص نے کہا: نہیں! کسی کا ایک قطرۂ خون بھی نہیں بہایا ہے! حضرت جعفرؓ نے پوچھا: کیا ہم کسی کا مال چُرا کر لائے ہیں؟ عمر بن عاص نے کہا: نہیں! ایک پیسہ بھی نہیں چرائے ہیں!۔ یہ سن کر نجاشی نے مشرکین سے کہا پھر آخر کس وجہ سے تم لوگ ان پر اپنا حق جتا رہے ہو اور یہاں سے لے جانے کا مطالبہ کر رہے ہو؟ عمر بن عاص نے کہا: ہم اور یہ پہلے ایک ہی دین پر تھے، اب یہ لوگ باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر بے دین ہو گئے ہیں، نجاشی نے حضرت جعفرؓ سے پوچھا کہ تم لوگ پہلے کس دین پر تھے اور اب کیا دین اختیار کر لئے ہو؟ حضرت جعفرؓ نے عرض کیا!

نجاشی کے دربار میں تعارفِ اسلام :۔

"اے بادشاہ! ہم پہلے مشرک تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار کھاتے تھے پڑوسی کا خیال نہیں رکھتے تھے اور حرام کو حلال کر لیتے تھے، ایک دوسرے کا خون بہاتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ہم ہی میں سے ایک ایسے نبی کو مبعوث فرمایا جس کی وفاداری، سچائی، امانت داری کو ہم اچھی طرح جانتے تھے، انہوں نے ہمیں اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کی عبادت کی طرف بلایا، اور ہمیں صلہ رحمی کرنے اور پڑوسیوں کا حق ادا کرنے کی طرف متوجہ کیا، نماز روزہ کا پابند بنایا تو ہم نے ان کی دعوت اور ان کا دین قبول کر لیا۔ اب ہم غیر اللہ کی عبادت نہیں کرتے" جب نجاشی کو علم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں تو اس نے حضرت جعفرؓ سے خواہش کی کہ ان پر نازل ہونے والے آسمانی کلام میں سے کچھ سنائیں! حضرت جعفرؓ نے "سورہ مریم" پڑھ کر سنائی۔ قرآن کریم کو سن کر نجاشی اور اس کے درباری بے ساختہ رونے لگے۔

حضرت جعفرؓ کی صاف ستھری اور سچی گفتگو اور قرآنِ کریم کی تلاوت سے متاثر ہو کر شاہِ نجاشی نے سب مسلمانوں کو امن واطمینان کے ساتھ اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دے دی اور مشرکین سے صاف کہہ دیا کہ میں انہیں تم لوگوں کے سپرد نہیں کروں گا۔

ایک اور ناکام کوشش:۔

اگلے روز مشرکین کے وفد نے مشورہ کر کے بادشاہ کو ورغلانے کی ایک اور کوشش کی، انہوں نے بادشاہ حبشہ سے کہا کہ" یہ لوگ آپ کے پیغمبر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی توہین کرتے ہیں"، نجاشی چونکہ عیسائی مذہب کا ماننے والا تھا اس لئے انہوں نے سمجھا کہ یہ حربہ ضرور کارآمد ہوگا، مگر اس نے پھر مسلمانوں کو طلب کیا اور اس عقیدہ کی بابت دریافت کیا، حضرت جعفرؓ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ" وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول، اس کا کلمہ اور اس کی روح ہیں جسے اللہ نے کنواری مریم کے سینہ میں ڈالا تھا" نجاشی نے یہ سن کر کہا: حضرت عیسیٰ کی حقیقت اس سے ایک تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہے۔ اس واقعہ سے نجاشی کا یہ خیال اور بھی پختہ ہوگیا کہ مسلمانوں کو ان لوگوں کے حوالہ کرنا ہرگز مناسب نہیں، چنانچہ اس کے بعد مسلمان تو اچھے مقام اور اچھے پڑوسیوں میں رہنے لگے اور مشرکین مکہ خائب وخاسر ہو کر نامراد واپس چلے آئے۔ اور خود نجاشی کو اس عدل وانصاف اور حق پسندی کا صلہ من جانب اللہ یہ ملا کہ اللہ پاک نے اس کو بھی اسلام کی توفیق دی، جب اس کے انتقال کی خبر ملی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جلیل القدر صحابہؓ نے مدینہ منورہ میں اس پر غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی۔ (٤١)

(٤١) امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ درست نہیں ہے، ان کے ہاں جنازہ کی موجودگی شرائطِ صحت میں سے ہے، نجاشی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غائبانہ نماز پڑھائی تھی وہ یا تو آپ کی خصوصیت تھی، یا معجزاتی طور پر جنازہ آپ کے سامنے موجود تھا، یا لغوی طور پر دعائے مغفرت کو صلوٰۃ سے تعبیر کیا گیا امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کے ہاں جائز ہے۔ تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھ لیجئے۔

حبسِ بے جا:-

جب قریش کے لوگوں نے دیکھا کہ بہت سے صحابہ کرامؓ نے ہجرت کر کے دوسرے ملک میں پناہ حاصل کرلی اور ان کے ظلم وستم سے نجات پا گئے، ادھر حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ جیسے بااثر لوگوں کے اسلام لے آنے سے مسلمانوں کی ہمت اور بڑھ گئی، اسلام مکہ کے علاوہ دیگر قبیلوں اور علاقوں میں بھی بڑھنے اور پھیلنے لگا ہے تو انہوں نے مکہ کے سرداروں کی ایک میٹنگ بلائی اور اس میں بالاتفاق طئے کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سمیت ان کے خاندان بنی ہاشم اور ان کے تمام حامیوں کا سماجی بائیکاٹ کر دیا جائے، اس سلسلہ میں ایک عہد نامہ لکھوا کر دیوارِ کعبہ پر لٹکا دیا گیا کہ "بنی ہاشم سے نہ کوئی رشتہ ناطہ کرے نہ خرید و فروخت کرے، نہ کسی قسم کی امداد کرے اور نہ کوئی تعلق رکھے" (۴۲) یہ نبوت کا ساتواں سال تھا اس بائیکاٹ کی وجہ سے بنی ہاشم نے نہایت مجبور ہو کر مکہ کی ایک گھاٹی میں پناہ لی، تین سال اسی طرح گذر گئے، یہاں تک کہ بھوک سے بچوں کے بلبلانے کی آواز گھاٹی کے باہر سنائی دینے لگی، اس زمانہ میں ان لوگوں نے کیکر کے پتے کھا کر زندگی بچائی، بعض لوگوں کو انکی اس حالت پر رحم بھی آرہا تھا مگر سردارانِ قریش کے خوف سے کچھ نہیں کر پا رہے تھے، البتہ بعض شریف لوگ چوری چھپے کوئی امداد کر جاتے تھے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کے حکم سے دیمک کے کیڑوں نے اس اعلان نامہ کو چاٹ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے علم پا کر ابوطالب کو اسکی خبر دی، ابوطالب نے سردارانِ قریش کو مطلع کیا اور یہ اعلان دکھلانے پر اصرار کیا، جب نکال کر دیکھا گیا تو آپ نے جیسے خبر دی تھی اسی طرح نکلا، ادھر قوم کے چند شریف لوگ بھی طئے کر چکے تھے کہ اس ظلم کو کسی طرح ختم کرنا ہی ہے ان لوگوں نے بھی دباؤ ڈالا، اس طرح اس آفت سے تین برس بعد آپ کو اور آپ کے خاندان کو نجات ملی۔

---

(۴۲) اس مقاطعہ کی کتابت کرنے والا "بغیض بن عامر" تھا جس کے ہاتھ اس گستاخی کے نتیجہ میں شل ہو گیا، اور اس کی تحریر کو دیمک نے چاٹ کر صاف کر دیا تھا، سوائے لفظ اللہ کے سب حروف ختم ہو گئے تھے۔ (البدایہ والنھایۃ: ۳/۹۴)

غم کا سال:-

قریش کے اس حبس بے جا اور ظالمانہ بائیکاٹ کے زخم ابھی سوکھنے بھی نہیں پائے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو عظیم حادثات کا سامنا کرنا پڑا، اور دل کے زخم ہرے ہوگئے، کیوں کہ اس سال تھوڑے تھوڑے وقفہ سے پہلے حضرت ابو طالب کا پھر حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوگیا، یہ نبوت کا دسواں سال تھا چچا ابو طالب کے انتقال سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری کوشش فرمائی کہ وہ مسلمان ہو جائیں، انھوں نے سرداری کے پاس ولحاظ میں اس دولت سے اپنے کو محروم رکھنا پسند کیا مگر ایمان لانے کو گوارا نہ کیا (۴۳)۔ ان کی جدائی ہی آپ کیلئے کچھ کم صدمہ نہ تھا اُن کے ایمان سے محروم گذر جانے کا صدمہ مزید برآں ہوگیا۔ حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ دونوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اسباب کی اس دنیا میں بلاشبہ بہت بڑا سہارا تھے، اسی لئے یہ سال حضور کیلئے بہت ہی حزن وغم اور آزمائش کا سال ثابت ہوا۔ کتب سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ ابو طالب کے انتقال کے بعد آپ کے دشمنوں کی ہمتیں اور بڑھ گئیں، انہوں نے ایذا رسانی کا سلسلہ بدستور جاری رکھا بلکہ اس میں اضافہ بھی کردیا۔

طائف کا سفر:-

قریش کے ظلم اور زیادتیوں سے عاجز آکر اور یہ سوچ کر کہ دعوتِ دین کے کام کو جاری رکھنے کیلئے اسباب کے درجہ میں کسی با اثر آدمی کی حمایت حاصل کرنا چاہئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''طائف'' کا سفر فرمایا، اُمید یہ تھی کہ وہ تین بھائی (۴۴) جو طائف کے سردار اور شریف لوگ سمجھے جاتے ہیں آپ کی بات سمجھیں گے اور دعوتِ اسلام کو قبول کرلیں گے،

(۴۳) بخاری و مسلم میں ہے کہ جب ابو طالب کا آخری وقت ہوا تو مکے کے سرداران کے پاس آئے اور بار بار خواہش کی کہ آپ آخری وقت اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر بھتیجہ کا دین اختیار نہ کریں، اگر آپ نے ایسا کیا تو قوم کی بڑی بے عزتی ہوگی۔ ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بڑی لجاجت سے ابو طالب کو اسلام کی طرف بُلاتے رہے، حتی کہ صرف ایک مرتبہ کلمہ شہادت زبان سے ادا کرلینے پر قیامت میں شہادت دینے کا وعدہ فرمایا مگر ابو طالب نے نہ مانا اور یہ کہا ''اگر میری قوم کی طرف سے عار اور طعنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کردیتا''

ان کے قبولِ اسلام کا اثر دوسروں پر بھی پڑے گا، اس طرح تبلیغِ اسلام آسان ہو جائیگی۔ مگر خلافِ توقع وامیدان تینوں نے آپ کو مایوس کر دیا، اور یہی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانی بلکہ کسی مسافر کے برابر اکرام تک نہ کیا، اُلٹا بستی کے بدمعاشوں کو لگا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی، ذہنی اور جسمانی تکالیف کا سامنا کرنے پر مجبور کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اوباشوں کے پتھراؤ میں زخمی ہو کر نکلے، راستہ میں انگور کا ایک باغ نظر آیا تو اس میں پناہ لے کر اطمینان کا سانس لیا۔

حضرت عداس رضی اللہ عنہ کا اسلام :۔

انگور کا یہ باغ بھی دو مشرک بھائیوں کا تھا، مگر ان کے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کیفیت کو دیکھ کر جذبہ رحم پیدا ہوا، انہوں نے اپنے عیسائی غلام "عداس" سے کہا کچھ انگور ایک پلیٹ میں رکھ کر اس شخص کو دیدو، عداس انگور لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا اور کہا انگور کھا لیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "بسم اللہ" کہہ کر کھانا شروع کیا، عداس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غور سے دیکھا اور کہا اس علاقہ کے لوگ تو یہ کلمہ کہتے نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے اور کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس نے بتلایا کہ میرا نام عداس ہے اور "نینویٰ" کا رہنے والا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا: اللہ کے نیک اور صالح بندے یونس علیہ السلام بن متی کے شہر کے ہو؟ عداس نے پوچھا: آپ کو یونس علیہ السلام بن متی کا کیا پتہ؟ فرمایا" وہ میرے بھائی ہیں کیونکہ وہ بھی اللہ کے نبی تھے میں بھی اللہ کا نبی ہوں" عداس خوشی سے اچھل پڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کو، ہاتھوں کو اور قدموں کو بوسہ دیا، پھر اس نے آپ کا دین قبول کر لیا۔ اس کے مالکوں نے اس کو بہت ملامت کی اور ترغیب دی کہ تمہارا دین ان

اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی: انک لا تھدی من احببت الآیۃ یعنی اے نبی! آپ جس کو چاہے ہدایت نہیں دے سکتے۔ (مسلم: ۱/۲۱۳)

(۴۴) طائف کے ان تین سرداروں کے نام مسعود، حبیب، اور عبد یا لیل تھے۔ ان تینوں میں سے ایک نے آپ کی بات سن کر طعنہ دیتے ہوئے کہا: "اچھا! آپ کو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے" دوسرے نے کہا: "آپ کے علاوہ نبی بنانے کیلئے خدا تعالیٰ کو کوئی اور نہ ملا تھا" تیسرے نے کہا: "میں آپ سے بات نہیں کروں گا" (سراجاً منیراً ص: ۱۸۰)

کے دین سے بہتر ہے اس کو مت چھوڑو مگر عداس نے سنی ان سنی کر دی اور اسلام پر قائم رہے۔

محبوبِ خدا دست بہ دعا:۔

اس باغ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست بہ دعا ہو کر اللہ رب العزت سے مناجات فرمائی اور اپنی بے سروسامانی و پریشانی کا شکوۂ محبت کرتے ہوئے عرض کیا:

اے اللہ! میں اپنی کمزوری، وسائل کی کمی اور لوگوں کی جانب سے کی جانیوالی توہین کی آپ ہی سے شکایت کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! آپ ہی کمزوروں کے رب ہیں، اے میرے رب آپ مجھے کس کے حوالہ کر رہے ہیں؟ ایسے بے گانوں کے جو سخت مزاج اور ترش رو ہیں یا ایسے اپنوں کے جن کا مجھ پر زور ہے؟ پھر بھی اگر یہ معلوم ہو جائے کہ آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں تو یہ سب مجھے گوارا ہے، البتہ اگر ان آزمائشوں سے عافیت حاصل ہو جائے تو وہ میرے لئے زیادہ سہولت وراحت کا سبب ہوگی۔ میں آپ کی ذات کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے آسمان وزمین روشن ہیں، اس بات سے کہ آپ کا غصہ اور ناراضگی مجھ پر نازل ہو، مجھے بس آپ کی رضا کی فکر ہے یہاں تک کہ آپ راضی ہو جائیں۔ ساری قوتیں اور طاقتیں آپ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

اللہ نے پہاڑوں کے فرشتہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ایک اشارہ بھی ہو جائے تو طائف والوں کو دونوں پہاڑوں کے درمیان پیس دیا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو صرف خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کریں گے، اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں گے۔ اللہ اکبر! یہ ہیں نبیٔ رحمت! اتنا سب کچھ سہنے کے باوجود ان ظالموں کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ بددعا فرمائی اور نہ ان کی تکلیف گوارا کی۔ اللھم صل وسلم علیہ وعلی آلہ

جنات کی حاضری اور قبولِ اسلام:-

طائف سے واپسی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند دن "وادیٔ نخلہ" میں ٹھیرے تھے یہاں ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے، جنات کی ایک جماعت پہونچی، انہوں نے قرآن سنا تو بہت متاثر ہوئے، خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا، اور اپنی قوم کو بھی دعوتِ اسلام دینا شروع کر دیا، سورۂ احقاف کے آخری رکوع میں اس واقعہ کا تفصیلی ذکر ہے۔

مکہ مکرمہ واپسی:-

مکہ والوں کا دستور تھا کہ مکہ سے نکل جانے والوں کو واپس آنے نہیں دیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی انہوں نے یہی طئے کیا کہ اب آپ کو مکہ میں آنے نہ دیا جائے، مکہ کے قریب پہونچنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے چند با اثر لوگوں سے پناہ طلب کی انہوں نے اپنے عذر بتلا کر انکار کر دیا، مطعم بن عدی بھی مکہ ایک با اثر اور شریف آدمی تھے، (۴۵) انہیں معلوم ہوا تو وہ آپ کو شہر میں لے آئے اور اعلان عام کیا کہ" محمد "میری پناہ میں ہیں۔ آپ مکہ میں داخل ہو کر سیدھے حرم شریف میں گئے، حجرِ اسود کا استیلام کیا، نماز و دعا کے بعد اپنے گھر تشریف لے گئے۔

واقعۂ معراج:-

دعوت و تبلیغ کے آغاز سے لے کر اب تک مسلسل آزمائشوں کا سلسلہ چلتا رہا، اس سال اہلیہ اور چچا کے یکے بعد دیگرے وصال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور نڈھال ہو گئے، طائف والوں کے رویے نے مزید دل توڑ دیا۔ جب ابتلا و امتحان کی سب منزلیں طئے ہو چکیں،

---

(۴۵) مطعم بن عدی اسلام نہیں لائے، کفر کی حالت ہی میں دنیا سے رخصت ہو گئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا یہ نیک سلوک ہمیشہ یاد رکھتے تھے، ایک مرتبہ مدینہ میں کچھ لوگ گرفتار ہو کر آئے، آپ نے فرمایا اگر آج مطعم زندہ ہوتے اور ان کی سفارش کرتے تو میں ضرور قبول کرتا، یہ احسان شناسی کی صفت آپ سے ہر جگہ ظاہر ہوتی تھی۔ (سیرت النبی ۱/۲۳۴)

اللہ کی خاطر مشقتیں اُٹھانے اور تکلیفیں گوارا کرنے کے تمام مراحل گذر چکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان آزمائشوں میں سو فیصد کامیاب رہے تو اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلندیوں کی انتہا اور عزت ورفعت کے مقامِ اعلیٰ پر پہنچا کر دلی تسلی وتشفی کا سامان فرمادیا، (۴۶) یعنی آپ کو جسم وجان کے ساتھ ایک ہی رات میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک پہونچایا اور وہاں سے آسمانوں کے سفر پر بُلایا، اور اس قدر اونچا فرمایا کہ جبرئیلؑ امین بھی نیچے رہ گئے۔ یہ واقعہ ستائیسویں رجب کو نبوت کے دسویں سال پیش آیا اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ

آغازِ سفر:-

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں حضرت ام ہانی کے گھر آرام کررہے تھے، دو فرشتے گھر میں داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا کر حطیم میں لے آئے، یہاں لٹا کر سب سے پہلے آپ کا سینہ مبارک کھول کر اس میں سے قلبِ مبارک کو نکالا دھویا پھر اپنی جگہ سٹ کر دیا، اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے براق نامی ایک جانور کو پیش کیا اور آپ کو اس پر سوار ہوجانے کے لئے کہا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوگئے تو یہ سواری چل پڑی، بہت تیز رفتار سواری تھی، آناً فاناً مسجد حرام سے چل کر مسجد اقصیٰ پہونچ گئی، یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اتر کر بیت المقدس (۴۷) میں داخل ہوئے اور براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء اپنے جانور باندھا کرتے تھے، راستہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کے کہنے پر چند مقامات مثلاً یثرب، وادی سینا، مدین اور بیت اللحم پر دو دو رکعت نماز ادا فرمائی، (۴۸) مسجد اقصیٰ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی

---

(۴۶) اکثر سیرت نگاروں نے واقعاتی ترتیب میں معراج کا واقعہ طائف کے واقعہ کے بعد نقل کیا ہے، اگر یہی ترتیب صحیح ہے تو اس میں ایک لطیف نکتہ یہ بھی محل غور ہے کہ طائف کے حوصلہ شکن اور دل آزار احوال سے گذرنے کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حالت کو پیش کرتے ہوئے یہ عرض کیا تھا کہ ’’اگر آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں تو مجھے کچھ پروا نہیں‘‘ کیا عجب کہ حق تعالیٰ اپنے ناراض نہ ہونے کا اطمینان دلانے اور دلِ بے تاب کو سکون بخشنے کے لئے آپ کو اس اکرام کی ایک جھلک دکھادیہ ہو جو آخرت میں آپ کے ساتھ کیا جانے والا ہے۔ واللہ اعلم۔

یہاں آپ کی زیارت واستقبال کے لئے تمام انبیاء علیھم السلام موجود تھے۔

انبیاء کرام کی امامت:۔

اسکے بعد اذان کہی گئی اور صفیں درست کر لی گئیں، جبرئیل نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا نماز کے بعد انہوں نے بتلایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اقتدا کرنے والے سب انبیاء علیھم السلام ہیں، پھر ایک محفل منعقد ہوئی جس میں اولوالعزم پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (گویا صدارتی) حمد وثنا بیان کی، جب آپ اس سے فارغ ہو کر مسجد کے باہر نکلے تو وہاں آپ کو تین پیالے پیش کئے گئے، جن میں سے ایک دودھ کا، ایک پانی کا اور ایک شراب کا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کا پیالہ اختیار فرما لیا۔ جبرئیلؑ نے عرض کیا: "آپ نے فطرت کا انتخاب فرمایا"

آسمانوں کی سیر:۔

اس کے بعد براق ہی پر یا کسی دوسری سواری سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر تشریف لے گئے، ہر آسمان پر مقرر فرشتہ جبرئیل سے دریافت کرتا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں اور کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیل کے جواب کے بعد دروازہ کھل جاتا پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام نے، دوسرے پر حضرت یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام نے، تیسرے پر حضرت یوسف علیہ السلام نے، چوتھے پر حضرت ادریس علیہ السلام نے، پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام نے، چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اور ساتویں پر سیدنا حضرت ابراھیم علیہ السلام نے

(۴۷) مسجدِ اقصیٰ روئے زمین کی دوسری مسجد ہے، جس کی بنا حضرت آدم علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کی بنیاد کے چالیس برس بعد رکھی تھی، پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے وحی کے مطابق دوبارہ بنیاد رکھی، بعد میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کے ذریعہ دوبارہ تعمیر کروائی، اسی کو بیت المقدس کہتے ہیں۔ یہ فلسطین میں واقع ہے مگر اب اس کو یروشلم کہتے ہیں، بیت المقدس کے معنی پاک گھر کے ہیں، چونکہ اس جگہ کبھی غیر اللہ کی پرستش نہیں کی گئی اسلئے اس کو "بیت المقدس" کہتے ہیں۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے اس وقت یہاں مسجد کی عمارت نہیں تھی، اس جگہ ہی کو بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کہا جاتا تھا۔ بعد میں مسلم سلاطین نے صحرا پر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا اور نیک تمنائیں ظاہر کیں۔

بارگاہِ الٰہی میں حاضری:۔

ساتویں آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المعمور (۴۹) میں داخل ہوکر دو رکعت نماز بھی ادا کی، اس کے بعد "سدرۃ المنتھےٰ" (۵۰) پہنچے، یہاں پہنچ کر حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا: "میری رسائی اسی مقام تک ہے، اس سے آگے جانے کی مجھے طاقت نہیں ہے اس لئے کہ اس کے آگے اللہ تعالیٰ کی جو تجلیات ہیں ان کی میں تاب نہیں لاسکتا، اس لئے یہاں سے آپ تنہا ہی جائیں گے" چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے ہی آگے بڑھ گئے اور اللہ تعالیٰ کے قرب ولُطف کے تمام مراتب طئے فرماتے ہوئے "عرش اعظم" تک پہنچے، بارگاہِ رب العزت میں حاضری دی، جمالِ الٰہی کے دیدار سے مشرف ہوئے، حق تعالیٰ نے جو کچھ چاہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو فرمائی، حق تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی امت کو مختلف نعمتیں دی گئیں

نمازوں کی فرضیت:۔

انہی نعمتوں میں سے ایک نماز کی نعمت بھی ہے، جو پہلے پچاس وقت کی فرض ہوئی تھی، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں کچھ کمی کی درخواست فرمائی تو ان میں سے پینتالیس کم کردی گئیں، صرف پانچ رہ گئیں، لیکن حق تعالیٰ نے فرمایا آپ کی سفارش سے تعداد تو کم کردی گئی مگر ثواب پانچ پر بھی پچاس ہی کا ملے گا، چنانچہ آپ پانچ وقت کی نمازوں کا تحفہ لے کر اس مبارک سفر سے دنیا میں واپس تشریف

ایک گنبد تعمیر کروائی اس کو قبۃ الصخراء کہتے ہیں، اور مسجد کی عمارت بھی بنوائی۔ اس جگہ قدیم عمارت کی ایک دیوار بچ رہ گئی تھی، اس پر یہودی جا کر روتے ہیں اس لئے اس کو "دیوارِ گریہ" کہتے ہیں۔ تفصیل کیلئے دیکھئے۔
(اطلس القرآن، ص: ۳۲۰)

(۴۸) یثرب: مدینہ منورہ کا پُرانا نام ہے، وادی سینا: جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک درخت میں سے کلام فرمایا تھا، مدین: حضرت شعیب علیہ السلام کی بستی کا نام ہے، بیت اللحم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش کا نام ہے۔ (سیرۃ المصطفےٰ ۱/۲۹۱)

لے آئے، یہ طویل ترین سفررات دیر گئے شروع ہو کر صبح صادق سے قبل ہی ختم ہو گیا۔(۵۱) صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے پورے سفر کی روداد بیان فرمائی، اس سے اہل ایمان کی عقیدت واعتماد میں اضافہ ہوا، کفار ومشرکین کا بغض وعناد اور بڑھ گیا، ابوجہل اس واقعہ کو مذاق کا موضوع بنا کر زندیق قرار پایا تو ابوبکر اس کی بھرپور تصدیق کر کے صدیق کہلائے۔

حضرت ابوبکرؓ کو صدیق کا لقب:-

جس وقت آپ نے واقعۂ معراج کی تفصیل سنائی تھی، ابوبکر صدیق موجود نہ تھے، جب انہیں اس کی اطلاع ملی تو فوراً کہا: اگر آپ نے اس کا دعویٰ کیا ہے تو میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، لوگوں نے پوچھا کہ آپ جیسے سمجھدار آدمی ایسی باتوں کی کیسے تصدیق کر رہے ہیں؟ تو فرمایا: میں جب اس سے بھی عجیب بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ صبح وشام ان کے پاس خدا کا فرشتہ وحی لاتا ہے تو ایک دفعہ ان کے جانے کی تصدیق کیوں نہیں کر سکتا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہی سے سارا واقعہ سننے کی خواہش ظاہر کی، جب آپ یہ واقعات سنا رہے تھے تو صدیق اکبرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات پر عرض کرتے **صدقت، اشهد انک رسول الله** "آپ نے سچ فرمایا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں" انکی تصدیق سن سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **نعم! وانت الصديق يا ابا بكر** !اورتم صدیق ہو اے ابوبکر" اسی دن سے ابوبکر کا لقب صدیق ہو گیا۔ **رضی الله تعالىٰ عنه**

---

(۴۹) بیت المعمور: ساتویں آسمان پر فرشتوں کا قبلہ ہے، روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں، یہ گھر کعبۃ اللہ کے عین اوپر اسطرح واقع ہے کہ وہاں سے گر جائے تو سیدھے کعبۃ اللہ پر ٹکے۔

(۵۰) سدرۃ بیری کے درخت کو اور منتھےٰ حد کو کہتے ہیں، ساتویں آسمان پر ایک خاص شان کا بیری کا درخت ہے، جس کی جڑیں چھٹے آسمان میں اور ٹہنیاں ساتویں آسمان میں ہیں۔ اس پر بے شمار فرشتے جگنوؤں کی طرح جگمگاتے رہتے ہیں، زمین سے اٹھائے جانے والے اعمال پہلے یہیں پہونچتے ہیں پھر آگے بڑھ جاتے ہیں اور آسمان سے آنے والے احکام بھی پہلے یہیں اترتے ہیں پھر نیچے اتارے جاتے ہیں، اسی لئے اس کو "سدرۃ المنتھےٰ" کہا جاتا ہے۔ (حاشیۃ الصاوی: ۳/۳۰۳)

مشرکین نے امتحان لیا:-

کفارِ مکہ نے اس واقعہ کا استحصال کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمزور کرنے کی بہت کوشش کی، چنانچہ بعض لوگوں نے بیت المقدس کا ذکر سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی عمارت کے بارے میں ایسے سوالات پوچھے جو آپ کے ذہن میں محفوظ نہ تھے بلکہ کوئی بھی زائر محفوظ نہیں رکھ سکتا ہے، آپ کو ان سوالات سے سخت تکلیف ہوئی کہ جواب دینے کی بظاہر کوئی صورت ہی نہیں اور اگر جواب نہیں دیتے ہیں تو لوگ اس دعوے کو غلط بتلائیں گے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی تشویش کو دور کرتے ہوئے اسی وقت بیت المقدس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح کر دیا کہ وہ جو پوچھتے تھے آپ اس میں دیکھ کر فوراً جواب دیدیتے تھے۔ کفار حیران ہوگئے اور سر پکڑ کے بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیت المقدس رات کے کسی حصے میں جا کر آنا بھی عقلاً ممکن نہ تھا اسلیئے اس کے لئے کہ کم از کم دو ماہ کا سفر درکار تھا، اِدھر آپ جو صحیح صحیح کیفیت اس کی بتلا رہے تھے وہ اتنی واقعی تھے کہ جاننے والے جھٹلا نہیں سکتے تھے۔ (۵۲)

اللہ اپنے رسول کیلئے کافی ہے :-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ معراج کے بعد مکہ مکرمہ میں دینِ اسلام کی دعوت کا کام جاری رکھے رہے، اور مشرکین کی مخالفت ورکاوٹ کی بالکل پروا نہیں کی، مکہ میں چند بدنصیب ایسے تھے جنہوں نے آپ کے ساتھ استہزاو تمسخر کو اپنا مشغلہ بنا رکھا تھا، ان میں اسود بن مطلب اسود بن عبد یغوث، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اور حارث بن طلاطلہ پیش پیش تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے سلسلہ میں وحی نازل کر کے اطمینان دلایا کہ

---

(۵۱) یہ واقعہ بہت ہی دلچسپ اور ایمان افروز ہے، ہم نے اشارۃً لکھا ہے کتبِ سیرت میں اس کی تفصیل ضرور دیکھنی چاہیے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۱/ ۲۸۷ تا ۳۱۱)

(۵۲) واقعہ معراج کے حیرت انگیز اور بظاہر خلافِ فطرت وعقل ہونے کی وجہ سے بعض مادہ پرستوں یا ظاہر بینوں نے اس سفر میں آپ کے جسم وجان کے ساتھ اور بیداری کی حالت میں جانے کا انکار کرتے ہوئے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ واقعہ آپ ؐ کا سچا خواب ہوگا۔ لیکن ان لوگوں کا یہ خیال اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ اور حکمتِ بالغہ کے

آپ ان کی بالکل پروانہ کریں اپنا کام جاری رکھیں، اللہ تعالیٰ ان مسخروں کو خود ہی نمٹ لے گا اور آپ کی بھر پور حفاظت فرمائے گا جب "سورۃ الحجر" کی یہ آیات (۵۳) نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری بے فکری اور بے جگری سے میدانِ دعوت میں اُتر گئے، اور مکہ کے بازاروں سے لے کر گلی کوچوں تک توحید ورسالت کی دعوت عام کردی، جو ملتا اس کو دعوت دیتے، گھروں پر پہونچ کر دعوت دیتے، بازاروں میں جا کر مختلف علاقوں سے جمع ہونے والے کاروباریوں تک اپنی بات پہونچانے کا بھی اہتمام فرماتے تھے، ان دنوں لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر جمع بھی ہوتے، توجہ سے سنتے بھی لیکن مشرکین نے مخالفت وایذا رسانی کا ماحول ایسا بنا رکھا تھا کہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے کے لئے بہت کچھ سوچنا پڑتا تھا، اس لئے بات سن کر بھی کم لوگ مانتے تھے یہ صورتحال دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہونے لگا کہ باہر سے آنے والوں میں سے کسی اللہ کے بندے کو اگر حق کی یہ دعوت سمجھ میں آجائے اور کوئی قبیلے یا علاقے والے اسلام کی بھر پور تائید کیلئے تیار ہوجائیں تو بہت لوگ اسلام لانے کی ہمت کرسکتے ہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں یہ اعلان بھی فرمانے لگے کہ "کوئی ہے جو ہمیں اسلام کی دعوت کے سلسلہ میں اپنے قبیلے کو مرکز بنانے کا موقع دے، کیونکہ قریش کے لوگوں نے ہمارے لئے اس کام کو مشکل کردیا ہے"۔ اس اعلان کا بھی کسی قبیلے سے مثبت جواب نہ مل سکا۔

موسمِ حج میں دعوتِ اسلام :-

مکہ مکرمہ میں چونکہ اس زمانہ میں بھی لوگ حج کرنے کے لئے آیا کرتے تھے، طور

انکار کے مترادف ہے، اسلئے بالکل غلط ہے، معراج کے سلسلہ میں جمہور علماءِ امت کا اجماع ہے کہ وہ حالتِ بیداری میں جسم وجان کے ساتھ پیش آیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: "یہی تمام محدثین، متکلمین، اور فقہاءِ مجتہدین کا عقیدہ ہے، اس سے انحراف کی کوئی گنجائش نہیں" (فتح الباری: ۱۵/۴۴)

(۵۳) فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ، وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ، اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ یعنی آپ کو جس چیز کا حکم دیا گیا ہے لوگوں کو صاف صاف سنا دیجئے، اور مشرکین کی پروانہ کیجئے، جو لوگ مذاق اُڑاتے ہیں ان کے مقابلہ کے لئے آپ کو اللہ کافی ہے۔ (الحجر: ۹۴، ۹۵)

طریقوں میں اگر چہ مشرکانہ رنگ ڈھنگ پیدا ہوگیا تھا مگر حج کا سلسلہ بند نہ ہوا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان باہر سے آنے والوں کے سامنے بھی حسبِ موقعہ اسلام کی دعوت پیش فرماتے رہتے تھے، یثرب میں مشرکین کے دو قبیلے تھے، اوس اور خزرج، یہ لوگ بھی مُوسمِ حج میں حج کیلئے آئے ہوئے تھے، سیرت نگاروں کا ماننا ہے کہ اس زمانہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو غور سے سننے اور دل سے قبول کرنے میں ان دو قبیلوں کے لوگوں نے سب پر سبقت حاصل کرلی، چنانچہ اہلِ یثرب میں سب سے پہلے سوید بن صامت اور ایاس بن معاذ نے اسلام قبول کیا۔(۵۴) پھر اسعد بن زرارہ اور ان کے پانچ ساتھیوں نے اسلام قبول کیا، پھر بڑھتے ہی چلے گئے یہاں تک کہ سارا یثرب مسلمان ہوگیا۔

حجاج کو بہکانے کی کوشش:۔

جب موسمِ حج آتا تو مشرکینِ مکہ بہت متفکر ہوجاتے تھے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام دشمنوں سے بے پرواہ ہوکر گلیوں سے لے کر بازاروں تک ہر جگہ اسلام کی دعوت اور کلمہ طیبہ کی آواز لگاتے رہتے تھے۔ ان کو ڈر یہ تھا کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت مکے کے باہر نہ چلی جائے، اور کہیں کوئی قبیلے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مضبوط قوت اور محفوظ مرکز فراہم نہ کردیں، اس لئے ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ طئے کیا کہ باہر سے آنے والے راستوں پر چوکیاں بنائی جائیں اور ہر قافلہ کو داخلہ سے پہلے متنبہ کردیا جائے کہ مکہ میں **محمد** نام کا ایک جادوگر ہے، جو اس سے ملتا ہے اس کا خاندان بکھر جاتا ہے اور وہ خود اس کے جادو سے متاثر ہوکر دیوانہ ہوجاتا ہے وغیرہ۔ ان لوگوں نے اسے بہت نافع تدبیر سمجھ کر اختیار کیا تھا مگر اس سے انہیں تو کوئی خاص نفع نہ ہوا، الٹا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا ہر طرف اور ہر علاقہ میں چرچا ہوگیا۔

---

(۵۴) سوید بن صامت اور ایاس بن معاذ یہ دو انصاری اصحاب ہیں جن کے بارے میں غالب گمان یہ ہے کہ سب سے پہلے ان دونوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور قرآن کریم کی سماعت سے متاثر ہوکر اسلام قبول کیا تھا، انہوں نے اگر چہ ابھی اپنے مسلمان ہونے کا افشا نہ کیا تھا مگر ان کی قوم کے لوگوں کی شہادت ہے کہ یہ لوگ حالتِ اسلام میں دنیا سے گئے، دونوں کی موت جنگ بُعاث کے دوران ہوئی۔ (ابن ہشام ۲/۳۶)

ایک دلچسپ واقعہ:-

اس سلسلہ میں حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ کا واقعہ بڑا دلچسپ اور سبق آموز ہے:

وہ جب حج کیلئے مکہ مکرمہ پہونچے تو مکہ کے سرداروں نے ان سے جا کر ملاقات کی، ان کی بڑی تعریف، اور بڑے خیر خواہانہ انداز میں توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ "ہم لوگ اس قدر اہتمام سے آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ آپ کو اس شخص کے بارے میں خبردار کردیں جس کا نام محمد ہے وہ بڑا جادوگر ہے، اس کے جادو سے خاندان بکھر رہے اور رشتے ٹوٹ رہے ہیں، آپ چونکہ اپنے خاندان کے بزرگ آدمی ہیں، آپ سے خیر خواہی کا تقاضہ تھا کہ ہم آپ کو قبل از وقت اطلاع دیدیں"۔

قریش نے یہ بات ان کو اتنے اہتمام اور اصرار سے کہی کہ وہ بہت مرعوب ہوئے اور انہوں نے یہ معمول بنالیا کہ جب بھی مسجد حرام میں جاتے تو کان میں روئی ٹھونس لیا کرتے تھے، تاکہ آپ کی کوئی بات کان میں نہ پڑے، ایک رات وہ مسجد میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کے سامنے نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے، یہ قریب میں جا کر کھڑے ہوگئے، نہ سننا چاہنے کے باوجود کان میں ایک آدھ آیت پہونچ ہی گئی، بہت متأثر ومحظوظ ہوئے، پھر سوچنے لگے کہ سننے میں کیا حرج ہے، میں کوئی نادان تھوڑا ہی ہوں، اگر اچھی بات ہوگی تو قبول کرلوں گے، غلط بات ہوگی تو چھوڑ دوں گا، چنانچہ وہ سنتے ہی رہے، جب آپ نماز سے فارغ ہوکر گھر جا رہے تھے تو وہ بھی ساتھ ہوگئے گھر پہونچ کر انہوں نے آپ سے ملاقات کی سارا قصہ سنا کر اور عرض کیا کہ میں تو آپ کا کلام سننا نہیں چاہ رہا تھا مگر اللہ تعالیٰ اپنا کلام مجھے سنانا ہی چاہ رہا تھا، آخر سُننا پڑا، سن لیا، آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام کی باتیں رکھیں تو انہوں نے فوراً قبول کرلیا۔

یثرب کے سعادت مند لوگ:-

ان ہی دنوں میں ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب میں کچھ لوگوں کی آپس میں

باتیں کرنے کی آواز سنی، باہر نکل کر دیکھا تو "یثرب" کے چھ آدمی گفتگو میں مصروف تھے (۵۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے درمیان تشریف لائے اور انھیں اسلام کی جانب مائل کرنے کے لئے اُن کے سامنے پہلے قرآن کریم کی تلاوت فرمائی پھر خدائے واحد کی بندگی وعبادت کے سلسلہ میں نہایت ہی جامع ونافع وعظ فرمایا، یہ لوگ اگرچہ کہ مذہباً کافر تھے، مگر یہودی قبائل کے ساتھ رہنے بسنے کی وجہ سے انھیں اس کا علم تھا کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں مبعوث ہونے والے ہیں، اور یہود اس نبی کے انتظار میں ہیں، (۵۶) اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سُن کر انھوں نے اندازہ کیا کہ شاید آپ ہی وہ نبی ہوں جن کا یہودی ذکر اور انتظار کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے برضا ورغبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کر لی، اور مسلمان ہو گئے، وطن واپس ہونے کے بعد اُنھوں نے اپنے مذہب کی تبدیلی اور نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ودیدار کا اس قدر چرچا کیا کہ یثرب کی گلی گلی اور گھر گھر یہ آواز پہنچ گئی۔

بیعتِ عقبہ اولیٰ :- (۵۷)

اگلے سال سن ۱۲ نبوت میں حج ہی کے موسم میں اسی مقام عقبہ پر یثرب کے بارہ آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر توحید کی بیعت کی، ان بارہ افراد میں پانچ تو گذشتہ سال ہی کے مسلمان تھے اور سات نئے تھے، اس کو "بیعتِ عقبہ اولیٰ" کہتے ہیں۔ اس طرح یثرب کی سرزمین پر اب مسلمانوں کی تعداد بارہ ہو گئی تھی، ان کی خواہش پر انہیں دینِ اسلام سکھانے اور دوسروں کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ کر دیا۔

---

(۵۵) یہ چھ آدمی اسعدؓ بن زرارہ، عوفؓ بن حارث، رافعؓ بن مالک، قطبہؓ بن عامر، عقبہؓ بن عامر اور جابر بن عبداللہؓ تھے۔ رضی اللہ عنھم "یثرب" مدینہ منورہ کا پُرانا نام ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پہونچنے کے بعد اس بستی کا نام تبدیل کر دیا، اس کا ذکر آگے آرہا ہے، وہاں تک ہم نے مدینہ کا سابقہ نام یثرب اور اس کے آگے سے "مدینہ منورہ" استعمال کیا ہے۔

مسلمانوں کی اس مٹھی بھر جماعت نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کی سرپرستی میں دعوتِ اسلام کی وہ دھوم مچائی کہ دیکھتے دیکھتے یثرب کا بیشتر حصہ اسلام کی نعمتِ عظمیٰ وغنیمتِ کبریٰ سے بہرہ مند ہوگیا۔

بیعتِ عقبۂ ثانیہ:-

نبوت کے تیرھویں سال موسمِ حج میں ۷۴ مسلمانوں کا قافلہ (جس میں دو خواتین بھی شامل تھیں) یثرب سے مکہ مکرمہ پہونچا، تاکہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر اس بات کی درخواست کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یثرب کی سرزمین کو اپنے ورودِ مسعود سے رونق بخشیں اور اس علاقہ میں تشریف لاکر باشندگانِ یثرب کو دینِ اسلام و پیغمبرِ اسلام کی نصرت اور مدد کا موقع مرحمت فرمائیں۔ چنانچہ انھوں نے اسی سابقہ جگہ پر رات کی تاریکی میں اس شمعِ نبوت کے گرداگرد جمع ہوکر اپنا مدّعا پیش کردیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس درخواست کو قبول کرنے سے پہلے چند شرائط ان کے سامنے رکھے، اور ان شرائط کے تسلیم کر لینے پر خدا کی رضا اور جنت کے ملنے کی خوشخبری سنائی، انھوں نے اس بھاری سودے کو —— جو بہت سستا مل گیا تھا —— نہایت مسرت و شادمانی کے ساتھ قبول کرتے ہوئے بیعت کے لئے اپنے ہاتھ بڑھا دیئے۔ آپ نے بیعت فرمالیا، اس کو "بیعتِ عقبۂ ثانیہ" کہتے ہیں۔

ایک ایمان افروز محفل:-

اس بیعت اور ملاقات کی تفصیل کعب بن مالک انصاریؓ کی ایک روایت میں بہت

(۵۶) جب کبھی یہودیوں کی کسی سے لڑائی ہوتی اور اس میں شکست کھاجاتے تو اپنی تسلی کے لئے ان سے کہا کرتے تھے کہ آخری نبی جلد ہی آنے والے ہیں، جب وہ ظاہر ہوجائیں گے تو ہم ان کیساتھ ہوکر تمہارا مقابلہ کریں گے اس شکست کا انتقام لے لیں گے، اس وقت تم ہمیں مغلوب نہ کرسکو گے۔ (ابن ہشام ۱/۱۴۰)

(۵۷) اسلام میں بیعت کی حقیقت ایک معاہدہ کی سی ہے۔ اس کی مختلف قسمیں ہیں، مثلاً بیعتِ اسلام، بیعتِ جہاد، بیعتِ خلافت و امارت اور بیعتِ تقویٰ وطہارت، احادیثِ صحیحہ سے ان سب بیعتوں کا ثبوت ملتا ہے اور ان کا مسنون ہونا ثابت ہوتا ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا رسالہ (شفاء العلیل: ۱۲ تا ۱۶)

وضاحت کے ساتھ ملتی ہے وہ فرماتے ہیں: ہم لوگ ۷۳ رمرد ۲ رعورتیں حج کیلئے نکلے، مکہ پہونچ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایام تشریق کے دوران کسی دن گھاٹی میں ملنے کا وعدہ ہو گیا، جس رات ہم لوگوں کو آپ سے ملنا تھا اس رات پلان بنا کر عام لوگوں کے ساتھ سو گئے، جب دوسرے لوگوں کے سو جانے کا اطمینان ہو گیا تو ہم ایک ایک دو دو کر کے اٹھتے رہے اور پوری احتیاط کے ساتھ دبے پاؤں گھاٹی کی طرف بڑھتے گئے، ایک ایک کر کے ہم تمام جمع ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرنے لگے، تھوڑی ہی دیر میں حسبِ وعدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عباس بن عبدالمطلب تھے، وہ اگر چہ اپنی قوم کے کے دین پر تھے مگر دل سے چاہتے تھے کہ بھتیجے ـــ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ـــ کے مسئلہ کا کوئی مستقل حل نکل آئے۔ پہلے عباس نے بات شروع کی اور کہنے لگے: اے خزرج والو! تمہیں معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے قبیلے کے آدمی ہیں اور ہم نے انہیں بڑی مشکلوں سے ان کے دشمنوں اور بدخواہوں سے بچا کر عزت وحفاظت سے رکھا ہوا ہے، اب ان کا اصرار ہے کہ وہ تم لوگوں کے پاس چلے جائیں اور تم لوگوں ہی میں مل جائیں۔ تم لوگ اچھی طرح غور کر لو کہ کیا تم لوگ ان کی دعوت اور دین کو مضبوطی سے تھام کر انکا بھرپور ساتھ دے سکو گے اور ان کے مخالفین کا جم کر مقابلہ کر سکو گے؟ کر سکو گے تو ٹھیک ہے نہ کر سکو گے تو ابھی سوچ لو اور انہیں ہمارے ہی ساتھ چھوڑ دو کیونکہ یہ اس وقت اپنے وطن اور اپنی قوم میں بہر حال محفوظ ہیں۔ جب ان کی بات ختم ہو گئی تو ہم نے ان سے کہا: ہم لوگوں نے آپ کی بات سُن لی ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب متوجہ ہو کر ہم نے عرض کیا: آپ فرمایئے، اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے سننا چاہتے ہیں، آپ ہم سے اپنے لئے اور اپنے رب کے لئے جو عہد لینا چاہتے ہیں لے لیں! اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے قرآن مجید کی تلاوت کی، پھر اسلام کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی اور اس کے بعد فرمایا: ”میں تم سے اس بات پر بیعت لینا چاہتا ہوں کہ تم میرا ایسا تحفظ کرو گے جیسے اپنے بچوں اور عورتوں کا

کرتے ہو" یہ سن کر براء ابن معرور نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر فوراً عہد کیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے ہم آپ کی جان و مال سے بڑھ کر حفاظت کریں گئے، آپ ہم سے اس کا عہد لے لیجئے، ہم لوگ باپ دادا سے اتحاد اور عہد کی اہمیت کو گویا وراثت میں پاتے آرہے ہیں، براء کی بات ابھی چل ہی رہی تھی کہ ابوالہیثم نے قطع کلام کرتے ہوئے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارا یہودیوں سے اتحاد چلا آرہا تھا جو آپ سے اتحاد کے بعد ٹوٹ جائے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اسکے بعد اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا فرمادیں تو آپ تو اپنی قوم میں مل جائیں اور ہم بے سہارا ہو کر رہ جائیں"۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ ان کی بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: ہرگز نہیں تمہارا خون میرا خون ہے، تمہاری شکست میری شکست ہے، میں تمہارا ہوں تم میرے ہو، جن سے تمہاری لڑائی ہوگی میں ان سے لڑوں گا اور جن سے تم صلح کرلو گے میں بھی ان سے صلح کرلوں گا۔

نُصرت کے لئے بے تابی:-

بیعت کے بعد براء ابن معرور انصاریؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! اجازت ہو تو ہم لوگ اپنے ساتھیوں کو لیکر صبح ہوتے ہی مشرکین سے جنگ شروع کردیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھے ابھی اس کا حکم نہیں ملا ہے، تم لوگ اپنے مقامات پر واپس چلے جاؤ۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بارہ آدمیوں کو بطور نقیب منتخب فرما کر یثرب میں دعوت و تبلیغ کے فریضہ کی ادائیگی کرتے رہنے کی تاکید فرمائی، اس کے بعد وہ قافلہ تو اپنے وطن کے لئے روانہ ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں مکہ ہی میں اللہ کے پیغام کو اس کے بندوں تک پہنچانے اور انھیں اسلام کے احکام سے واقف کرانے کے کام میں حسب معمول مصروف ہو گئے۔

صحابہؓ کو ہجرت کی اجازت:-

مکہ میں کفار کی طرف سے مسلمانوں کو تکلیفیں پہونچانے اور جبر و تشدد کے ذریعہ کمزور لوگوں کو اسلام سے بہکانے کی جان توڑ کوششوں میں آئے دن اضافہ ہی ہوتا جارہا

تھا،اس صورتحال نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بے چین و بے قرار کر رکھا تھا،چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اب مسلمانوں کواجازت عطا فرمادی کہ وہ اپنے محبوب ترین وطن —— مکہ مکرمہ —— کو چھوڑ کر خدا کے واسطے یثرب کی جانب ہجرت کر جائیں،اس اجازت کے ساتھ ہی مسلمانوں میں خوشی ومسرت کی لہر دوڑ گئی اور بڑے جوش وخروش کے ساتھ انھوں نے ملک ومال،خویش واقارب،اپنے پرائے سب سے بے پرواہ ہوکر اپنے ایمان کی حفاظت کیلئے اپنے وطن سے ہجرت کا ارادہ کرلیا اور جس طرح ہوسکا یثرب کی سرزمین منتقل ہونے لگے۔

مہاجرین کا تعاقب:۔

مشرکینِ مکہ کو مسلمانوں کا ان کے چنگل سے نجات پا کر یثرب میں امن وامان اور کامل اطمینان کیساتھ بس جانا کیسے گوارا ہوسکتا تھا؟ وہ اس سے پہلے بھی حبشہ کی جانب ہجرت اور وہاں کے بادشاہ کی پناہ پر تل ملا اٹھے تھے اور مسلمانوں کو وہاں سے واپس لانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی،لیکن اللہ پاک نے انہیں ناکام ونامراد لوٹا دیا تھا،وہ تو گنتی کے چند مسلمان تھے جو حبشہ گئے تھے،مگر یثرب کی جانب ہجرت کرنے والے مسلمان سینکڑوں کی تعداد میں تھے،مسلمانوں کی ہجرت سے مکہ میں محلّوں کے محلّے خالی ہورہے تھے،یہاں تک کہ ابوجہل پہاڑیوں پر چڑھ کر بستی کے اجڑنے کے مرثیئے پڑھ رہا تھا،اس لئے دشمنانِ اسلام نے مہاجرین کا تعاقب کر کے انہیں مکہ کے باہر جانے سے روکنا اور راستوں سے واپس لے آنا ضروری سمجھا۔اس لئے یہ لوگ مہاجرین کرام کے سفر میں رکاوٹ پیدا کرنے اور سب کچھ چھین کر انہیں خالی ہاتھ کر دینے کے درپے ہوگئے،پکڑ پکڑ کے قید کیا،مشکیں کسیں،مال لوٹ لیا،سواریاں چھین لیں حتیٰ کہ ماؤں کی گود سے شیر خوار بچوں کو تک اُچک لیا غرض ان بیچاروں پر مصائب کے پہاڑ توڑنے شروع کر دئے۔چند واقعات عبرت کے لئے ملاحظہ کرلیں۔

صبر واستقامت کے چند واقعات:-

☆حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو اپنی اہلیہ اور بچے کو لے کر نکلے، جب ان کے سسرال والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے راستہ میں انہیں روک لیا اور اپنی بیٹی کو زبردستی چھڑا کر واپس لے گئے، ان کے خاندان والوں کو اس کا پتہ چلا تو وہ ام سلمہؓ کے پاس آئے اور کہا کہ جب تم لوگ اپنی بچی کو لے آئے ہو تو ہم ہمارے پوترے کو تمہارے پاس رہنے نہ دیں گے، چنانچہ وہ لوگ شیر خوار بچے کو ماں سے چھین کر لے گئے، اس طرح تینوں بکھر گئے اور ایکدوسرے سے بچھڑ گئے، شوہر تو کسی طرح بچ کر مدینہ پہونچ گئے، بیٹے کو سسرال والے لے کر چلے گئے، ام سلمہؓ بیچاری اکیلی ہو کر اپنے میکہ میں رہ گئیں، شوہر اور بیٹے کے غم سے نڈھال ہو کر کھانا پینا چھوڑ دیا، روزانہ بھوکی پیاسی گھر سے نکلتیں اور شام تک بستی کے باہر یثرب کے راستہ پر بیٹھی روتی رہتی تھیں، اس کے بعد خاندان کے ایک آدمی کو رحم آیا تو انہوں نے ام سلمہ کے گھر والوں سے کہا "کیوں اس کو اس مصیبت میں ڈال رکھے ہو؟ بیچاری کا رو رو کے بُرا حال ہو رہا ہے، چھوڑ کیوں نہیں دیتے کہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائے، تب ان لوگوں نے اجازت دیدی کہ شوہر کے پاس جانا چاہتی ہو تو چلی جا، ادھر سسرال والوں نے بھی بچہ کو حوالہ کر دیا، حضرت ام سلمہ ایک سواری کا انتظام کر کے اور اپنے بچے کو گود میں لے کر تن تنہا مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئیں، راستہ میں ایک صحابیؓ مل گئے، انہوں نے نہایت دیانتداری، اور احترام واکرام کے ساتھ لیجا کر ان کے شوہر کے حوالہ کر دیا۔

☆حضرت عمرؓ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو اپنے ساتھ ہشام اور عیاش کو لے لیا، تینوں کو ایک جگہ جمع ہونا تھا، حضرت عمرؓ اور حضرت عیاشؓ نکل گئے مگر ہشام کو مکہ والوں نے روک کر قید کر لیا، یہ دونوں جب مدینہ پہونچ گئے، پیچھے ہی سے عیاش کے چچازاد بھائی ابوجہل اور حارث بھی مدینہ پہونچ گئے، ان لوگوں نے عیاش سے کہا کہ تمہاری ماں نے قسم

کھائی ہے کہ جب تک تمہاری صورت نہیں دیکھیں گی نہ سایہ میں جائیں گی اور نہ سر میں کنگھی کریں گی ، عیاش کا دل اس بات سے نرم پڑ گیا اور وہ واپس ہونے کے لئے تیار ہو گئے ، حضرت عمرؓ نے بہت کچھ سمجھایا مگر وہ نہ مانے اور ان کے ہمراہ مکہ واپس ہو گئے ، ان لوگوں نے راستہ میں کسی بہانے سے انہیں سواری سے اتروایا اور رسیوں میں باندھ کر اپنے قبضہ میں کر لیا ، مکہ لیجا کر ان کو بھی ہشام کے ساتھ قید کر دیا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیؓ کو ان کی مدد کے لئے بھیجا انہوں نے بڑی حکمتِ عملی سے ان دونوں کو رہا کرا کے مدینہ پہونچا دیا۔

☆ حضرت صہیبؓ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش نے ان کا راستہ روک لیا اور ان سے کہا کہ تم جب مکہ آئے تھے تو خالی ہاتھ اور کنگال آئے تھے ، یہاں آ کر تم نے خوب مال کمایا اور اتنی دولت اکھٹی کر لی ، اب تم مکہ چھوڑ کر جانا چاہتے ہو اور اپنا مال بھی ساتھ لے جانا چاہتے ہو تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے پوچھا کہ اگر میں اپنا سارا مال تمہیں دیدوں تو کیا تم مجھے چھوڑ دو گے؟ وہ لوگ راضی ہو گئے ، حضرت صہیبؓ نے سارا مال ان کے حوالہ کر دیا اور تنہا مدینہ منورہ پہونچ گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صہیبؓ کی اس قربانی کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: صہیب نے نفع بخش تجارت کر لی۔

☆ حضرت زینب صاحبزادیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ جانے کے لئے نکلیں تو ہبّار بن اسود نے چند بدمعاشوں کو لے کر ان کا تعاقب کیا اور راستہ میں روک کر ان کے شکمِ مبارک پر نیزہ یا برچھی مارا ، حضرت زینب حاملہ تھیں اس حملے سے ان کا حمل ساقط ہو گیا ، اسی حال میں مدینہ منورہ پہونچیں ، بعد میں انہیں زخموں کی تکلیف سے انتقال کر گئیں اور اللہ کو پیاری ہو گئیں۔

غرض مہاجرین کو ہجرت سے باز رکھنے کے لئے ان جلاد صفت دشمنوں نے سب کچھ کیا مگر ان کے دل سے دولتِ ایمان اور جذبۂ ہجرت نکالنے میں کسی طرح کامیاب نہ

ہو سکے، چنانچہ اس ظلم وستم کے باجود ایک ایک کر کے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد یثرب منتقل ہوگئی۔

آپؐ کے قتل کا مشورہ:۔

اب مکہ مکرمہ میں گنتی کے چند مسلمان رہ گئے تھے جو کسی مصلحت یا مجبوری کے تحت ہجرت نہیں کر سکے تھے، اور اکابر صحابہؓ میں سے تو صدیق اکبرؓ و علی مرتضیٰؓ کے علاوہ کوئی موجود نہ رہا تو قریش مکہ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ یہ موقعہ اچھا ہے کہ ان کے بارے میں کوئی ایسا فیصلہ کیا جائے جس سے اسلام کا مشن ہی بند ہو جائے۔ اس سلسلہ میں قریش کے سرداروں نے مکہ کے میٹنگ ہال ـــ دار الندوہ ـــ (۵۸) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی ایک میٹنگ طلب کی ، ابھی گفتگو شروع ہی ہو رہی تھی کہ ابلیس ایک نجدی بوڑھے کی شکل میں آ کر ان لوگوں سے اپنی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے اس مشورہ میں شریک ہوگیا، مشورہ میں کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر بدر کرنے کی رائے دی، بوڑھے نے اسے رد کر دیا، کسی اور نے قید کر دینے کی بات کہی اس نے اسے بھی مسترد کر دیا، بالآخر ابو جہل نے یہ تجویز پیش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے (۵۹) اور اس کام کے لئے قبائل قریش میں سے ہر قبیلہ کا ایک شخص شریک رہے تا کہ بنی ہاشم انتقامی کاروائی بھی نہ کر سکیں، اس تجویز کو تمام ارکانِ شوریٰ نے بالاتفاق پسند اور تسلیم کر لیا، چنانچہ اس متفقہ فیصلہ کی تکمیل یعنی آپ کو قتل کرنے کیلئے مختلف خاندانوں کے منتخب نوجوانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارک کو ننگی تلواروں سے گھیر لیا۔

---

(۵۸) یہ میٹنگ ہال ''دار الندوہ'' کے نام سے مکہ میں تعمیر کیا گیا تھا، مکہ کی ساری سرگرمیاں یہیں سے انجام دی جاتی تھیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں زاد بھائی حکیم ابن حزامؓ اسکے متولی تھے، وہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے، اس عمارت کو بعد میں حضرت حکیمؓ نے حضرت معاویہؓ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا اور پوری رقم صدقہ کر دی۔

(۵۹) اس میٹنگ کا مختصر اور جامع ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے ''وہ وقت قابل ذکر ہے جبکہ کافروں نے آپ کے خلاف سازش کرتے ہوئے کہا تھا کہ آپ کو قید کر دیا جائے یا قتل کر دیا جائے، یا شہر بدر کر دیا جائے، وہ اپنی تدبیر کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر کر رہا ہے، اور بہترین مدبر تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ (سورہ انفال:۳۰)

یہ عجیب ماجرا ہے:-

مشرکین مکہ اگرچہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن اور بدترین مخالف تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت، عداوت اور ایذا رسانی کی ہر ممکن صورت اختیار کرتے تھے مگر اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر اعتماد بھی پورا کرتے تھے اور آپ کی دیانت و امانت سے حد درجہ متاثر تھے، انہیں اپنی کوئی چیز امانت رکھانی ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ معتبر کوئی شخصیت انہیں نظر نہیں آتی تھی، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس متعدد مشرکین کی امانتیں اس وقت بھی موجود تھیں جس وقت وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے، سبحان اللہ! یہ کیسی نادر دیانت اور بے مثال خوفِ خدا ہے کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ننگی تلواروں سے لیس ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اتارنے کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں عین اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دشمنوں کی امانتوں کو واپس کرنے کا انتظام فرمانے میں مشغول ہیں۔ اللهم صل وسلم وبارک علیه وعلی آله۔

نبی پاکؐ کی ہجرت:-

زمین والے اپنا منصوبہ بنا رہے تھے اور آسمان والا اپنا فیصلہ نافذ کر رہا تھا، چنانچہ جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورتحال بتلا کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بھی یثرب کی جانب ہجرت کر لینے کا حکم پہونچایا، یہ حکم ملتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ہدایت فرمائی کہ آج رات تم میری جگہ آرام سے سو رہو اور صبح کو دشمنانِ خدا کی جو امانتیں میرے پاس رکھی ہوئی ہیں انہیں واپس کر دو، اس کے بعد تم بھی ہجرت کر کے چلے آؤ۔

حضرت علیؓ کو یہ ہدایت دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ یٰسٓ شریف کی تلاوت کرتے ہوئے حجرۂ مبارکہ سے باہر نکلے اور اپنے رفیقِ خاص حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہنچ گئے۔ راستہ میں جب کعبۃ اللہ نظر آیا تو آپ اس کی جدائی کے تصور سے غمزدہ ہو گئے، اور

کعبے کو مخاطب کر کے فرمایا" خدا کی قسم! سرزمینِ مکہ میرے نزدیک سب سے بہتر ہے اور سب سے محبوب سرزمین ہے، اگر مکہ والے مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں کبھی تجھے چھوڑ کر کہیں اور نہ جاتا"۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو آپ نے دو تین دن قبل ہی تیار رہنے کی ہدایت دیدی تھی، اور نظام العمل بھی بتلا دیا تھا۔ اسلئے وہ پہلے ہی سے تیار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہونچنے پر فوری ضروری انتظامات کر کے گھر سے روانہ ہو گئے، گھر سے نکل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا قیام غارِ ثور میں فرمایا۔

یارِ غار اور عاشقِ وفادار:-

صدیقِ اکبرؓ نے اس سفر میں اپنی جان نثاری و وفاداری کے عجیب و غریب کرشمے دکھائے، اپنے جسم کو سواری بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبلِ ثور کی بلندی پر لے گئے، اپنی چادر پھاڑ کر غار کے سوراخ بند کئے، ایک سوراخ رہ گیا تو اپنی ایڑی سے اس کا منہ بند کر دیا، زہریلے سانپ نے ڈس لیا تو تڑپ گئے مگر کوئی حرکت محض اس لئے نہیں کی کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار نہ ہو جائیں، راستہ چلتے وقت آگے پیچھے داہنے اور بائیں ہر سمت سے چلتے تھے تا کہ کوئی دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور نہ ہو جائے، غرض یہ کہ محبت و عشق کے وہ جوہر دکھائے کہ عشاق کی تاریخ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے، ظاہر ہے کہ عالم الغیب نے وحی کے ذریعہ انہیں اور ان کے خاندان کو اپنے نبی کے سفر ہجرت میں معاون و مددگار منتخب فرمایا تھا تو یونہی تو نہ فرمایا ہو گیا۔

ہجرت کا یہ سفر اس وقت کے مخصوص حالات کے تناظر میں بہت ہی رازدارانہ سفر تھا، ایسے مواقع پر قریب ترین، عزیز ترین اور نہایت با اعتبار ساتھی کو منتخب کیا جاتا ہے، صدیقِ اکبرؓ کے لئے یہی کیا کم تھا کہ خود حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کی رفاقت و رازداری کیلئے ان کا انتخاب کیا چہ جائے کہ ابوبکرؓ کا پورا گھرانہ نبوت کی اس عظیم امانت کو مکہ سے مدینہ منتقل کرنے میں استعمال ہوتا رہا۔ ابوبکر انکے رفیق سفر و یارِ غار، ابوبکر کا بیٹا مخبر، ابوبکر کی بیٹی

توشہ تیار کرنے والی، ابوبکر کا غلام راستہ کا خدمت گذار، ابوبکر کی اونٹنی سواری، ابوبکر کا مال زادِراہ۔ **فجزی اللّٰہ ابابکر عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء۔**

سردارانِ قریش کی نامرادی :-

اُدھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا محاصرہ کرنے والے نوجوانوں نے صبح تک بھی آپ کو گھر سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا اور صبح ہوگئی تو بے چینی اور غصہ سے گھر میں داخل ہوگئے، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے حضرت علیؓ آرام کررہے تھے، انہوں نے بتلایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو رات ہی یہاں سے روانہ ہوگئے تھے، یہ سنکر ان لوگوں کا غیض وغضب اور بھی جوش میں آیا مگر اب کیا کرسکتے تھے، سردارانِ قوم نے اپنی ساری پلاننگ ناکام ہوتی دیکھ کر اعلان کردیا کہ جوکوئی آپ کا پتہ لائے گا اس کو سو اونٹ انعام دئے جائیں گے، لوگ انعام کی حرص میں چوطرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں پھیل گئے۔

تین دن غارِ ثور میں :-

کچھ لوگ جبلِ ثور پر بھی چڑھے، غار کے قریب پہونچے، اتنے قریب کہ اگر وہ قدموں کی طرف دیکھ لیتے تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیقِ اکبرؓ نظر آجاتے مگر اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ غار کے دہانے پر مکڑی نے جالا تاندیا، کسی نے کہا کہ غار میں کوئی داخل ہوتا تو یہ مکڑی کا جالا ٹوٹ گیا ہوتا چلو دوسری طرف چلو، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی غیبی نصرت سے انہیں آپ تک پہونچنے سے روک لیا، اس وقت ابوبکرؓ گھبرا گئے تھے اور رسول اللہ کی سلامتی کو خطرہ محسوس کرنے لگے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی اطمینان سے حضرت ابوبکرؓ کو خاموش کیا اور فرمایا: ہم وہ دو ہیں جن کا تیسرا خود اللہ تعالیٰ ہے، فکر نہ کرو۔ آپ نے اس غار میں تین دن قیام فرمایا، عبداللہ بن ابوبکرؓ دن بھر مکہ میں پھرتے مکہ والوں کی باتیں انجان بن کر سنتے رہتے، شام کو وہ ساری خبریں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آتے۔ عامر بن فہیرہ وہیں قریب میں بکریاں چراتے رہتے، رات دیر گئے دودھ پلا آتے۔ اسی

طرح تین روز تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق ؓ اسی غار میں مقیم رہے۔

سفرِ ہجرت کا آغاز:-

چوتھے روز کرایہ کا رہبر دونوں اونٹنیوں کو لے کر عامر بن فہیرہ کے ساتھ غار ثور پہونچ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر ؓ اُن کے غلام عامر بن فہیرہ اور گائیڈ عبداللہ بن اُریقط کو لیکر مدینہ منورہ کے ارادہ سے چل پڑے، آپ نے سیکوریٹی کی مصلحت سے معمول کا راستہ چھوڑ کے غیر معروف راستہ اختیار فرمایا جو سمندر کے کنارے کنارے ہوتا ہوا مدینہ منورہ تک جاتا تھا، یہ نبوت کا تیرھواں سال، صفر کی ستائیسویں تاریخ اور جمعرات کا دن تھا۔

پتھر نے سایہ فراہم کیا:-

چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے جگے ہوئے اور صبح سے تھکے ہوئے تھے، اس لئے صدیق اکبر ؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام کروانے کے لئے کوئی سایہ اور مناسب جگہ تلاش کر رہے تھے مگر لق دق صحرا میں دوپہر کے وقت کہاں سایہ مل سکتا تھا؟ حضرت ابو بکر ؓ اسی فکر اور بے چینی میں تھے کہ اچانک ان کے سامنے ایک پتھر نمودار ہو کر بلند ہوتا چلا گیا، سورج اس کی اوٹ میں چھپ گیا دوسری جانب گھنا سایہ ہو گیا، حضرت ابو بکر ؓ نے اس جگہ کی زمین کو اپنے دونوں ہاتھوں سے برابر کر کے لیٹنے کے قابل بنا دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: آپ سو جائیں میں نگرانی کرتا رہوں گا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام و اطمینان سے سو گئے۔ ایک چرواہا بھی اپنی بکریاں لے کر اس طرف نکل آیا تھا، صدیق اکبر ؓ نے اس سے دودھ خرید کر چمڑے کے ایک پیالہ میں رکھ لیا، بیدار ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ دودھ پیش کیا، آپ نے نوش فرمایا تو ابو بکر ؓ خوشی سے باغ باغ ہو گئے۔

دشمن محافظ بن گیا:-

اگلے روز جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق صدیق اکبر ؓ، ان کے غلام عامر بن فہیرہ ؓ،

اور راہبر کے ساتھ ساحل سمندر کے صحرا میں سفر فرما رہے تھے اچانک سراقہ بن جعشم نامی شخص انعام کی لالچ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈتے ہوئے پہنچ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اس کے شر سے پناہ مانگی، ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی اُدھر اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا اور وہ گر پڑا، پھر اس کے فریاد کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جان کی پناہ لے کر نہ صرف یہ کہ واپس لوٹ گیا بلکہ راستہ سے ہر آنے والے کو یہ کہہ کر واپس لے گیا کہ وہ دور تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ آیا ہے اب اس طرف جانے کی ضرورت نہیں، اس طرح آپ کے معجزہ سے جان کا دشمن جان کا محافظ بن گیا۔

دنیا کا طلب گار آخرت کا طلب گار ہو گیا:۔

اسی اثنا میں بریدہ اسلمیؓ —— جو کہ انہیں سو اونٹوں کی لالچ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش اور گرفتاری کے ارادہ سے گھوم رہے تھے —— ملے، آپ نے انہیں دینِ اسلام کے بارے میں سمجھایا، آپ کی گفتگو سے وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنے ستر ساتھیوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے، اپنی پگڑی کا جھنڈا بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مستانہ وار چل رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ اعلان کرتے جا رہے تھے کہ لوگو! خوش ہو جاؤ، سلطانِ عدل وانصاف اور بادشاہِ امن واماں تشریف لا رہے ہیں، یہ کوئی معمولی ہستی نہیں۔

سوکھے تھنوں میں دودھ جاری ہوا:۔

راستہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوک پیاس کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ بے چین تھے اچانک ایک خیمہ نظر آیا جو ابومعبد نامی شخص کا تھا، یہاں پہونچ کر جب ان کی بیوی ام معبد سے کچھ طلب کیا گیا تو انہوں نے بتلایا کہ گھر میں تو کھلانے کو کچھ نہیں البتہ ایک بکری ہے مگر اس میں کچھ بھی دودھ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی کو لاؤ، جب وہ لائی گئی آپ

نے اس میں برکت کی دعا فرمائی، اسکے تھن دودھ سے لبریز ہوگئے۔ایک بڑے پیالے میں دودھ نکال کر آپ کو پلایا گیا، پھر سب لوگوں نے پیا، یہ ماجرا دیکھ کر ابو معبد کہنے لگے اسی شخص کو لوگ بے دین کہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ ایسا ہی کہتے ہیں، اس نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ برحق ہے" پھر وہ اوران کے گھر والے مسلمان ہوگئے۔

اہل مدینہ کا اشتیاقِ زیارت:-

اہلِ مدینہ آپ کے مکہ مکرمہ سے نکل جانے کی اطلاع پا چکے تھے، اس لئے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے منتظر اور ملاقات کے متمنی تھے، ایک ایک گھر میں گویا جشن کا ماحول تھا، ہر ایک دل مشتاق اور ہر ایک آنکھ سراپا دیدار بنی ہوئی تھی، روزانہ صبح کی نماز پڑھ کر گھروں سے نکل جاتے اور آبادی سے باہر پہونچ کر راستہ کو تکتے رہتے، جب سورج اچھی طرح بلند ہوجاتا اور دور دور تک انہیں کسی قافلہ کا سایہ نظر نہ آتا تو واپس اپنے گھروں کو آجاتے ،جس روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہونچے اس روز بھی لوگ انتظار کرکے واپس ہوچکے تھے، ان کے واپس ہونے کے بعد آپ کا یہ مبارک قافلہ پہونچا، سب سے پہلے ایک یہودی کی نظر پڑی جو اہلِ مدینہ کی بے چینی اور بے تابی کا روز مشاہدہ کررہا تھا، جیسے ہی اس نے آپ کے قافلہ کو قریب آتا ہوا دیکھا ایک ٹیلے پر سے زوردار آواز لگائی "اے لوگو! تمہارا مطلوب اور محبوب آگیا" یہ سنتے ہی سب لوگ مارے خوشی کے دوڑے دوڑے اور تکبیر وتہلیل پڑھتے ہوئے آپ کے پاس جمع ہوگئے، چھوٹی چھوٹی بچیاں بھی اپنے بڑوں کی خوشی ومسرت سے متاثر ہوکر گیتیں گاتی ہوئی نکل پڑیں۔(۶۰) یہ ۱۲/ربیع الاول دوشنبہ کا دن اور دوپہر کا وقت تھا۔

قبا میں ورود مسعود:-

مدینہ میں داخل ہوکر سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم "بنی عمر بن عوف" کے محلّہ "قبا" میں

رونق افروز ہوئے ، یہ محلّہ آبادی کے کنارے پر تھا ، یہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشتاقانِ دیدار کو ملاقات کا موقعہ عطا فرمایا اور یہاں ایک مسجد تعمیر کروائی ، یہیں حضرت علیؓ بھی —— جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مکہ میں ٹھیرے ہوئے تھے —— تین یوم کے بعد پہنچ گئے ۔قبا کی اس بستی میں چودہ دن قیام فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم آبادی میں داخل ہونے کیلئے آگے بڑھے ابھی "بنو سلیم" کی بستی تک پہنچنے ہی پائے تھے کہ ظہر کا وقت ہوگیا ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ نماز جمعہ کا اہتمام فرمایا اور تقریباً سو مسلمانوں کی معیت میں اسلام کی پہلی نماز جمعہ ادا فرمائی ۔(۶۱)

پہلا خطبہ ٔجمعہ :-

اسلام کا یہ پہلا خطبہ جمعہ ہر اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد ایمان کی بنیادی باتوں کا ذکر کرتے ہوئے بے ایمانوں سے اپنی بیزاری و برأت کا تذکرہ فرمایا ، اور یہ بھی فرمایا کہ "جہل و گمراہی کے گھنے اندھیروں میں خدائے بے نیاز نے اپنے بندوں کی ہدایت کی خاطر مجھے آفتابِ ہدایت بنا کر بھیجا ہے ، اس لئے جو خدا کی اور اس کے رسول برحق کی اتباع کرے گا وہ کامیاب و بامراد ہوگا اور جو روگردانی کرے گا وہ ناکام و نامراد ہوگا" اسی طرح اپنے اس طویل خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلق مع اللہ ، تقویٰ اللہ ، فکر آخرت اور اپنے اعمال میں رضائے الٰہی کی نیت رکھنے کی بار بار تاکید فرمائی ۔(۶۲)

---

(۶۰) ان کے گیت مشہور ہیں ، طلع البدر علینا من ثنیات الوداع ، وجب الشکر علینا مادعا للّٰہ داع ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع ، یعنی رخصتی کے ٹیلوں سے چودھویں کا چاند ہم پر طلوع ہوا ہے ، ہم پر اس نعمت کا شکر لازم ہے جب تک کہ اللہ سے کوئی دعا کرنے والا باقی ہے ، اے ہم میں بھیجے جانے والے نبی ! آپ ایسا دین لے کر آئے ہیں کہ جس کی اطاعت ہم پر لازم ہے ۔ سبحان اللہ ! اس زمانے کے نام نہاد عشاقِ رسول کو جو میلاد النبی کی خوشی ظاہر کرنے کیلئے نت نئے طریقے ایجاد کر رہے ہیں حتیٰ کہ غیروں کی نقل سے بھی گریز نہیں کر رہے ہیں مدینہ کے سچے عاشقوں اور ان کی معصوم بچیوں سے سبق لینا چاہیے کہ آپ کی تشریف آوری پر

مدینہ میں تشریف آوری:-

نماز جمعہ سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے کی بستی میں اس آن بان اور ایسی شان سے داخل ہوئے کہ پیشواؤں کی تاریخ میں محبوبیت ومقبولیت کی ایسی کوئی نظیر ملنی مشکل ہے۔(۶۳) مدینے کے پانچ سو شرفاء اس شمع نبوت کے گرد جاء نبی اللّٰہ، جاء نبی اللّٰہ، (اللہ کے نبی آگئے ،اللہ کے نبی آگئے) کے نعروں سے مست ہوکر پروانہ وار چل رہے تھے، ہر گھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد وثنا کے نغموں سے معمور اور ہر کوچہ شائقین دیدار و ناظرین انوار کے مجمعوں سے بھر پور تھا، معصوم بچے شوق مسرت میں یا محمد ! یا رسول اللّٰہ ! یا محمد یا رسول اللّٰہ ! کے گن گا رہے تھے، بستیوں کی بستیاں سراپا چشم بن کر امڈ آرہی تھیں، ہر شخص اس کا آرزومند کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مہمان بنیں، ہر فرد یہ خواہش لئے ہوئے کہ اس کے گھر کو اپنے نزول سے رونق بخشیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے یہی فرماتے جاتے کہ میری اونٹنی خدا کی طرف سے مامور ہے اس لئے جہاں یہ رُکے گی وہی جگہ میرا مسکن ہوگی، بالآخر اونٹنی اس جگہ جاکے رُکی جہاں اب مسجدِ نبوی ﷺ کا منبر ہے، سامنے حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مکان تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کے مکان پر قیام فرمایا، یہ دومنزلہ مکان تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے جانے والوں کی سہولت کے مدنظر نیچے کا حصہ پسند فرمایا اور گھر والوں کو اوپر رہنے کی ہدایت دی۔

نیکی ضائع نہیں ہوتی:-

اگر یہ کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہونچ کر ابوایوب انصاریؓ کے

جہاں ان کے قلوب جذبات مسرت سے سرشار اور ان کی زبانیں اظہارِ مسرت کیلئے بے قرار تھیں وہیں ان کے گیتوں کے الفاظ نعمت کی صحیح قدردانی اور اطاعت وفرمانبرداری کے حقوق کی یاددہانی بھی کررہے تھے۔

(۶۱) نمازِ جمعہ کا قیام اگر چہ مدینہ میں اس سے قبل ہی حضرت ابوامامہؓ کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم ہی سے ہوگیا تھا، لیکن اس کو پہلا جمعہ اس وجہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں پہلی دفعہ ہوا ہے۔(ابن ہشام:۱/۵۴)

(۶۲) یہ اسلام کا پہلا جمعہ تھا اور مدینے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا خطبہ!اس خطبے کو بڑی کتابوں میں تفصیل سے پڑھنے کا اور یہ غور کرنے کی ضرورت ہے کہ تیرہ سال سے اسلام کی دعوت وتبلیغ کے نتیجہ میں مکہ والوں سے

نہیں، اپنے ہی مکان میں فروکش ہوئے تھے تو بے جا نہ ہوگا، وہ اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کافی عرصہ قبل یمن کے ایک بادشاہ تبع سفر کے دوران مدینہ کے قریب سے گذرا اور یہاں پڑاؤ ڈالا تھا، اسکے ہمراہ بہت سے علماء بھی تھے، ان لوگوں نے آسمانی کتابوں کی نشانیوں سے پہچان کر بادشاہ کو بتلایا کہ یہ سرزمین خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ ہے، بادشاہ نے تفصیل معلوم کی اور اس کے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت کا ایسا تاثر پیدا ہوا کہ اس نے یہاں قیام کر کے ایک شاندار دومنزلہ مکان تعمیر کروایا، اور ایک تحریر لکھوائی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے ایمان لانے اور زندہ رہنے کی صورت میں آپ کی مدد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، اور گذارش کی کہ یہ مکان جو میں نے آپ کے لئے تعمیر کروایا ہے وہ آپ اپنی رہائش کے لئے قبول فرمالیں، پھر اس تحریر کو چمڑے کی ایک نلکی میں محفوظ کر کے مدینہ کے ایک شریف اور بزرگ آدمی کے حوالہ کردی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور تک اپنی امانت میں رکھیں پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آجائیں تو ان کی خدمتِ اقدس میں پیش کردیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مکان جس میں آپ اللہ کے حکم سے فروکش ہوئے وہی مکان تھا اور حضرت ابوایوب انصاریؓ انہی بزرگ کی اولاد تھے۔

یثرب کے بجائے طیبہ یا مدینہ:۔

یثرب کے معنی سنگلاخ اور شوریدہ جگہ کے آتے ہیں، یہاں کا موسم سخت تھا، کئی صحابہؓ یہاں آکر بیمار ہوگئے، یہاں تک کہ اکثر صحابہ کرامؓ کمزوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صورتحال دیکھی تو اللہ تعالیٰ سے اس شہر میں برکت اور آب وہوا

مسلسل تکلیفیں اٹھانے ہر طرح کی ذہنی، جسمانی وقلبی اذیتیں سہتے رہنے کے باوجود اپنے چاہنے والوں کی اس بستی اور جاں نثاروں کے اس مجمع میں ایک حرف بھی دشمنوں کے شکوہ وشکایات کا آپ کی زبانِ مبارک پر نہ آیا، اللہ اکبر! کیا ضبط اور حلم تھا ہمارے رسول کا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۶۳) عروہ بن یوسف ثقفی جو صلح حدیبیہ کے دن قریش کے سفارت کار تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپؐ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے عاشقانہ اور والہانہ تعلق کو دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہوئے تھے کہ میں نے قیصر وکسریٰ اور نجاشی

میں خوشگواری اور مسلمانوں کے قلوب میں یہاں قیام کی تمنا پیدا ہونے کی دعا فرمائی، جو مقبول ہوئی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو یثرب کا نام تبدیل کر دینے کی صلاح دی، اصحابِ کرام نے کوئی اور نام تجویز کرنے کے بجائے اپنے آقا کے نام سے موسوم کر کے یثرب کو"مدینة الرسول " کہنا شروع کردیا، جو آگے چل کر صرف"مدینہ" رہ گیا مدینة الرسول کے معنی ہیں رسول کا شہر،بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی بستی کا نام"طیبہ" رکھا۔

علماء یہود کی حاضری:۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ سے ملاقات کیلئے وقتاً فوقتاً کئی یہودی علماء حاضرِ خدمت ہوئے ، کیونکہ یہودی علماء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو آسمانی کتابوں میں بتلائی ہوئی علامات کی روشنی میں بہت اچھی طرح جانتے تھے، کئی ایک نشانیوں کا ان کو علم تھا، انہوں نے چاہا کہ براہِ راست ملاقات کر کے معلوم کرنا چاہیئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت میں ان نشانیوں سے آخر کتنی مطابقت ہے، جو آتا ملاقات کے بعد مطمئن ہو جاتا مگر ان میں سے بعض لوگ مشرف بہ اسلام ہوتے اور جنکی قسمت میں محرومی تھی وہ سب کچھ جان کر بھی محروم رہتے۔

ان علماء میں یاسر ابن اخطب ، مدینہ کے ایک یہودی مدرسہ کے علماء ،عبداللہ ابن سلام،ابن صوریا، زید بن سعید، سلمان بن اسلام، اور میمون بن یامین وغیرہ قابلِ ذکر ہیں

یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں:۔

یاسر بن اخطب، حُیّ ابن اخطب کا بھائی تھا، اپنے مذہب کا اچھا عالم تھا، سب

جیسے بادشاہوں کو ان کے ملکوں میں دیکھا ہے، مگر خدا کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کی عظمت ومحبت اس کی قوم میں ایسی نہیں دیکھی جیسی کہ محمد کے اصحاب میں محمد کی عظمت ومحبت دیکھی ہے، وہ تھوکتے بھی ہیں تو ان کے اصحاب بڑھ کر اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں، زمین پر گرنے نہیں دیتے، ان کا کوئی بال بھی گر جاتا ہے تو جلدی سے اٹھا کر اپنے پاس محفوظ کر لیتے ہیں وغیرہ (ابن ہشام ۲/ ۱۹۷)

سے پہلے یہی شخص آپ کی خدمت میں آیا، آپ کی باتیں سن کر متاثر ہوا اور اپنی قوم کو جا کر سمجھایا، مگر قوم نے ان کی بات نہ مانی۔ ایک اور یہودی عالم آپ کی خدمت میں آئے تو آپ سورۂ یوسف کی تلاوت فرما رہے تھے، قرآن کریم سن کر بہت متاثر ہوئے اور اپنی قوم کے متعدد لوگوں کو لاکر مشرف بہ اسلام ہوگئے، عبداللہ بن سلام کا نام اسلام سے پہلے حُصین تھا، وہ آپ کے آنے کے سختی سے منتظر تھے، جیسے ہی آپ کے آنے کی اطلاع ملی فوراً خدمت میں حاضر ہوئے، چہرۂ مبارک کو دیکھتے ہی ان کے ضمیر نے کہا "یہ چہرا جھوٹا نہیں ہوسکتا" چنانچہ اسی وقت مسلمان ہوئے، گھر آکر گھر والوں کو دعوت دی تو وہ سب اسلام میں داخل ہوگئے۔ سلمان فارسیؓ عیسائی عالم وراہب تھے، انہیں اللہ تعالیٰ نے بڑی لمبی عمر عطا فرمائی تھی، بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ بھی پایا تھا، لیکن ڈھائی سو سال کی عمر پانے پر تو سب کا اتفاق ہے، یہ بھی کافی لمبے عرصے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے، آپ ہی کی تلاش میں مدینہ منورہ میں مقیم تھے، جب آپ مدینہ تشریف لائے تو سلمان فارسیؓ نے آپ سے ملاقات کی، آپ کو سامنے بیٹھ کر غور سے دیکھا پھر پیچھے جا کر بیٹھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منشا سمجھ لیا اور پشتِ مبارک سے چادر ہٹالی، انہوں نے مہر نبوت کو دیکھ لیا اور اٹھ کر اسے بوسہ دیا اور اپنی پوری داستان زندگی سنا کر مسلمان ہو گئے۔

یہودیوں کا حسد اور تعصب:-

عبداللہؓ ابن سلام یہود کے جید علماء میں سے تھے، اور میمونؓ بن یامین قوم کے نہایت ہی معتبر آدمی تھے، ان لوگوں نے مسلمان ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ یہودیوں سے ہمارے مسلمان ہونے کو ظاہر کئے بغیر ہمارے بارے میں رائے لیجئے، جب وہ لوگ ہم پر اعتماد کریں گے تب ہم اسلام ظاہر کریں گے تاکہ ان پر حجت ہو جائے۔

☆ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن سلامؓ کو چھپا کر ان کی قوم سے پوچھا کہ تم ان کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو، ان لوگوں نے کہا کہ وہ "شریف آدمی ہیں، ان کے باپ بھی شریف

تھے اور وہ زبردست عالم ہیں" یہ سن کر حضرت عبداللہؓ ابن سلام باہر نکل آئے اور گواہی دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں، یہودی غصے میں آگئے اور کہنے لگے کہ " یہ بھی ذلیل آدمی ہے اس کا باپ بھی ذلیل تھا"۔☆ اسی طرح ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے فرمایا: تم اپنے میں سے کسی ایسے بااعتماد آدمی کا نام لو کہ اگر وہ میری نبوت کی تصدیق کرے تو تم یقین کرسکو، انہوں کہا: میمونؓ بن یامین پر ہم کو اتنا اعتماد ہے کہ اگر وہ کہدیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو ہم تصدیق کرلیں، آپ نے انہیں طلب کیا اور انہوں نے سب کے سامنے گواہی دی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، لیکن یہودی ایمان نہیں لائے۔غرض! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہونچنے کے بعد یہودی علما وعوام باقاعدہ طور پر آکر ملتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف سوالات کرتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود علاماتِ نبوت دیکھتے رہے مگر چند خوش نصیبوں کے علاوہ سب ہی نے ضد اور تعصب کا ثبوت دیا۔ من یضلل اللّٰہ فلا ھادی له

مسجد نبوی کی تعمیر:-

حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان سیقر یب میں جگہ تھی، آپ نے مسجد کیلئے اس کے خریدنے کی خواہش ظاہر فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق حضرت ابوبکرؓ نے قیمت ادا کر کے اس جگہ کو حاصل کرلیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مسجد نبویؐ کی تعمیر شروع فرمادی، یہ مسجد مٹی کی دیواروں اور کھجور کے چھپروں اور ستونوں پر مشتمل تھی، صحابہ کرامؓ اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے بارہ دن میں تیار ہوئی۔ مسجد کا کام مکمل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سے متصل ازواجِ مطہرات کیلئے بقدرِ ضرورت کمرے بنوادیئے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوبؓ کے مکان سے ان حجرات میں منتقل ہوگئے، حضرت زیدؓ اور حضرت عبداللہؓ بن ابی بکر کو بھیج کر مکہ سے اپنے بیوی بچوں کو بُلوایا۔

شہنشاہِ عالم کا دربار:-

اسی مسجد کی چٹائی پر بیٹھ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اسلامی حکومت کی بنیاد قائم فرمائی، یہیں سے سلاطینِ وقت کو دعوت نامے روانہ فرمائے، یہیں مقدمات کے فیصلے کئے، اسی میں صحابہ کرامؓ کی تربیت کی، اسی میں اسلامی تعلیم کا نظام قائم کیا، اسی میں ذکر کے حلقے لگتے، اسی میں علم و معرفت کے درس ہوتے، اسی کے صحن میں جہاد کے لشکر تیار ہوتے، یہیں سے محتاجوں کی حاجت روائی کی جاتی، اسی کے سامنے بنے ایک بے چھت کے چبوترے پر بے ٹھکانوں کو ٹھکانہ اور بے سہاروں کو سہارا ملتا۔ غرض یہ کہ یہ مبارک مسجد ایک عبادت گاہ کے ساتھ ساتھ عالمِ اسلام کا گویا باب الحکومت بھی بن گئی تھی۔

بین قومی امن مشن:- (۶۴)

ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقہ میں امن وامان کی فضا قائم کرنے اور مذہبی اختلاف کے باوجود قومی اتحاد و اتفاق برقرار رکھنے کی خاطر ایک بین قومی معاہدۂ امن کی جانب توجہ فرمائی، تا کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ انسانی و اخلاقی خطوط پر تعاون و ہمدردی نیز اظہارِ رائے کی آزادی کا موقعہ فراہم ہو سکے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جامع اصولوں پر مشتمل ایک معاہدۂ امن مرتب فرمایا، اور اس پر مدینہ میں بسنے والی قوموں سے اتفاق و رضامندی کی دستخطیں لیں، پھر اس کے اثرات کے دائرہ کو وسیع کرنے کی غرض سے بذاتِ خود اطرافِ مدینہ کے قبائل کے پاس پہنچ کر انہیں بھی اس میں شامل کرنے کی کوشش فرماتے رہے۔ یہ سلسلہ سن دو ہجری کے وسط تک چلتا رہا، لوگوں کو بھی یہ تجویز اچھی لگی اور وہ اسے پسند کر کے اس میں شامل ہوتے رہے۔

---

(۶۴) یہ معاہدہ تمام احادیث کی تطبیق اور جزئیات کی تحقیق کے ساتھ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے ''مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ'' میں جمع کیا ہے، جو پچاس سے زائد دفعات پر مشتمل اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوراندیشی، معاملہ فہمی، اور حکمتِ عملی پر مبنی ہے، یہ معاہدہ اس وقت تک نافذ رہا جب تک کہ اہل کتاب پر جزیہ کا حکم نہیں آیا اور مسلمان طاقت ور نہ ہو گئے۔ (نضرۃ النعیم ۱/۲۶۹)

بھائی چارگی کا رشتہ:-

اسی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اہم کام بھی انجام دیا کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ قائم فرمادی، مہاجرین اپنے عزیز واقارب مال ودولت، گھربار سب چھوڑ چھاڑ کر مکہ سے مدینہ آگئے تھے، بعض کا تو مکہ والوں نے سب کچھ چھین لیا تھا، ان سب لوگوں کو آباد کرنا، ان کی ضروریات زندگی کا سامان کرنا اور شخصی مسائل کا انتظام کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ ان میں جہاں کمزور اور غریب لوگ تھے وہیں صاحبِ حیثیت اور شریف لوگ بھی تھے، ان کو پناہ گزینوں کی طرح کیمپوں میں بھی نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ اللہ پاک نے آپ کے قلبِ مبارک میں ایسی تدبیر الہام فرمائی کہ اس سے عمدہ تدبیر سوچی نہیں جاسکتی، آپ نے ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کے ساتھ نام بہ نام جوڑ دیا اور ان دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیدیا، ان لوگوں نے نبی کی مبارک زبان سے بنائے گئے ان بھائیوں کو اپنے حقیقی بھائیوں کی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر محبوب بنالیا۔ مہاجر صحابہ ؓ اگر چہ کہ انصار صحابہ ؓ کا بوجھ بننے سے گریز کرتے ہوئے اپنے پیر خود جمانے کی کوشش کرتے تھے مگر اس حسنِ تدبیر سے انھیں اچھے دوست اور بہترین ہمدرد مل گئے، اپنائیت پیدا ہوئی اور پردیسی پن کا احساس ختم ہوا اور سب لوگ مل جُل کر ایک مثالی اور محبت بھری زندگی گذارنے لگے۔ وصلی اللہ علی النبی الکریم ۔

مشرکین ومنافقین کا نقضِ عہد:-

قریش کو دنیا کا امن اور مسلمانوں کا چین کبھی گوارا نہ تھا، انھوں نے اس سلسلہ میں غور وخوض کر کے مدینے کے قبائل ''اوس وخزرج'' کے بعض منافقت پسند لوگوں سے ربط کیا اور انھیں نقضِ عہد پر اکسایا، بصورت دیگر انھیں نقصان پہنچانے اور ذلیل وخوار کرنے کی دھمکیاں دیں، ادھر یہود بے بہود سے بھی تال میل قائم کرلیا، جبکہ وہ پہلے سے بھی مسلمانوں کے حق میں آستین کا سانپ بنے ہوئے تھے۔ اس طرح کی اور بھی سازشوں کا لمبا چوڑا جال

پھیلا کر امن پسند مسلمانوں کے ماحول کو برباد کر دیا، انہی سازشوں کے تحت انہوں نے وقفہ وقفہ سے مدینہ منورہ پر حملے کرنے بھی شروع کر دیئے۔

ضرورتِ جہاد وقتال :-

اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے، اس نے امن وامان اور مخلوق کی حفاظت وسلامتی کو بنیادی اہمیت دی ہے، مکہ میں مسلمانوں کا چودہ برس تک مسلسل ظلم سہتے اور صبر وثبات کا مظاہرہ کرتے رہنا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ پہونچنے کے بعد سب سے پہلے قبائل واقوام کے درمیان صلح اور امن کا معاہدہ کرانے کی فکر فرمانا اسلام کے اس مزاج کا واضح ثبوت ہے۔ لیکن ظلم کرنا جیسے انسانیت سوز حرکت ہے انسانیت پر ظلم کو دیکھتے رہنا اور مظلوموں کی مدد کر سکنے کے باوجود نہ کرنا بھی انتہائی غیر شریفانہ عمل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ قوت وطاقت دے تو کمزوروں اور بے قصوروں پر ظلم وزیادتی روا رکھنے والوں کا مقابلہ کر کے ان کی قوت وشوکت کو توڑنا اور انہیں عبرت ناک انجام تک پہونچانا ہی تمام عقل مندوں کے نزدیک عدل وانصاف اور عقل واخلاق کا لازمی تقاضہ ہے۔

ظالموں سے جہاد کا حکم :- (۶۵)

اللہ تعالیٰ نے جب تک مناسب سمجھا مسلمانوں کو کافروں کے ظلم وستم پر صبر کرتے رہنے کا حکم دیا، اور جب اللہ تعالیٰ نے مناسب سمجھا تو جہاد وقتال کا حکم نازل فرمایا۔ ارشاد ہوا: ”جن لوگوں پر ناحق ظلم ہو رہا ہے ان کو اجازت دی جاتی ہے کہ دشمنوں سے قتال وجہاد کرنا شروع کر دیں، اللہ تعالیٰ مظلوموں کی نصرت پر قادر ہے“ یعنی اب تک صبر واستقامت کا حکم

(۶۵) جہاد ابتداءً تو جان ومال کے تحفظ کیلئے بطور دفاع کے مشروع ہوا تھا، جس کا حکم سورہ حج کی آیت: أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا کے ذریعہ ملا، پھر جب اقتدارِ اسلامی پختہ ہو گیا تو شوکتِ اسلام اور غلبۂ دین کیلئے بھی اسکا حکم بطور اقدام دیا گیا، جس کا ذکر متعدد آیات میں موجود ہے مثلاً سورۂ انفال کی قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ والی آیت۔ جہاد کے مسئلہ میں اچھے خاصے پڑھے لکھے مسلمان بھی مختلف شبہات رکھتے ہیں، اس مسئلہ کو تفصیل سے سمجھنے کے لئے مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء کتاب ”سیرۃ المصطفیٰ“ کی دوسری جلد میں ”جہاد فی سبیل اللہ“ کا عنوان مکمل ملاحظہ کرنا بہت مفید ہے۔

کسی کمزوری اور مجبوری کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ کافروں کو سنبھلنے کی مہلت دینے اور ہدایت کا موقع فراہم کرنے کے لئے تھا۔

یہی وجہ ہے کہ جہاد میں دیگر عبادات کی طرح نیت کی صحت لازمی ہے کہ یہ عمل کسی نفسانی، سماجی، مالی، اور علاقائی اغراض میں سے کسی بھی غرض کیلئے نہ ہو خالصۃً لوجہ اللہ ہو اور اسکے بتائے ہوئے قانون کے مطابق ہو، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب جہاد کی مختلف نیتوں کا ذکر کر کے ان کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ ان میں سے کونسی نیت صحیح ہے؟ تو آپ نے ایک ضابطہ بتلا دیا "جس شخص نے اس غرض سے جہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو بس وہی مجاہد ہے" یعنی شوکتِ اسلام اور غلبۂ دین کے علاوہ کوئی اور نیت جہاد میں معتبر نہیں، کسی اور غرض سے کیا گیا قتال جہادِ اسلامی نہیں۔

غزوات وسرایا:-

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا جہاد ایک ضرورت ہے، اور اس کے بغیر امن ممکن نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے ذریعہ بعض لوگوں کو دفع نہ فرماتے تو روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی مشکل ہو جاتی، بلکہ ظالم لوگ عبادت خانوں کو جو ذکر اللہ کے مراکز ہیں منہدم کر دیتے"۔ ایک اور جگہ پر فرمایا "اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے ذریعہ بعض لوگوں کو قابو میں نہ کرتا تو زمین فتنہ وفساد سے بھر جاتی"۔ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے تو بے شک مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو بہت ستایا گیا، لیکن جب آپ مدینہ تشریف لے آئے تو یہ عداوت ومخالفت سہ رُخی ہوگئی اور مزید بڑھ گئی، دو دشمن مدینے ہی میں تھے، ایک یہود، دوسرے منافقین، تیسرا دشمن مکہ والے جو وقفہ وقفہ سے مدینہ آ کر چھیڑ چھاڑ کرتے جارہے تھے۔ یہ بہت ہی تکلیف دہ اور مظلومانہ صورتحال تھی اسی کے مدنظر اللہ تعالیٰ نے ان دشمنوں سے قوت وطاقت کے ساتھ مقابلہ کا حکم نازل فرمایا۔

اس حکم کے نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار ومشرکین کے ساتھ باقاعدہ

جنگوں کا سلسلہ شروع کر دیا، جس کو اسلامی اصطلاح میں "جہاد وقتال" کہا جاتا ہے، اسی طرح جس جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک تھے اس کو سیرت نگاروں کی اصطلاح میں "غزوہ" کہتے ہیں اور جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم شریک نہیں ہوئے اس کو "سریہ" کہتے ہیں، غزوات کی کل تعداد بقول ابن اثیر ۲۷ ہے، ان میں بھی لڑائی کی نوبت صرف ۹ غزوات میں آئی ہے۔ ان میں بدر، احد، خیبر، حنین، خندق، اور تبوک وغیرہ مشہور غزوات ہیں۔ جنگ بدر تو اللہ تعالیٰ نے باطل کے مقابلہ میں حق کی فتح کا زبردست نشان بنا دیا تھا۔

تین سو تیرہ ایک ہزار پر غالب ہوئے:-

مدینہ منورہ مکہ سے ملک شام جانے والوں کے راستہ میں پڑتا تھا، جب مکہ والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ سیرت اور امن پسند اصحابِ کرام کو وطن چھوڑ کر کسی دوسرے ملک جا کر بھی چین سے رہنے نہیں دے رہے تھے، خود بھی حملے کر رہے تھے اور مدینہ والوں کو بھی بھٹکا رہے تھے تو مکہ والوں کو سبق سکھانا ضروری ہو گیا تھا، اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تدبیر سب سے ہلکی اور مناسب سمجھی کہ مکہ والوں کے قافلہ کا راستہ روکا جائے، اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے قافلہ تجارت کو روکنے کا ارادہ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تھا کہ ابوسفیان مکہ والوں کا ڈھیر سارا مال لے کر ملک شام سے اسلحہ خرید کر لا رہے ہیں، جنگی حکمتِ عملی کے تحت اس قافلہ کو روک کر نہتا کر دینا بڑے خطرہ کے ٹلنے کا سبب تھا، مگر ابوسفیان بھی بڑے زیرک اور چوکنا آدمی تھے، آپ کے عزائم اور منصوبوں کی خبر رکھتے ہوئے سفر کر رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی خاص تیاری کے بس چند مخصوص اصحاب کو لے کر ان کے راستہ میں پہونچ گئے مگر وہ صورتحال کی بھنک پا کر اور اپنا راستہ بدل کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ادھر مکہ میں آدمی بھیج کر خبر کروادی کہ تمہارا مال ومتاع اور قافلہ خطرہ میں ہے، ابوجہل غضبناک ہو گیا اور پورے مکہ کو ہلا کر رکھ دیا، مکے کے تمام سردار نوجوان بہادر جنگجو سب ہی جنگ کے لئے تیار ہو گئے، اسبابِ سفر بھی لوگوں نے

دل کھول کر جمع کیا، بہر حال بڑے کروفر اور زور و شور سے قریب ایک ہزار کفار مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے، اور مدینے کے قریب بدر کے مقام پر آ کے رُک گئے، آپ نے تین سو تیرہ نہتے افراد سے ـــــ جن کے پاس نہ ہتھیار تھا نہ سواریاں تھیں ـــــ مشورہ کیا کہ کیا کیا جانا چاہئے، آپ کو تو اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین کامل تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی رائے لینا مناسب سمجھا، یا ان کے جذبات کا جائزہ لینا مقصود تھا، ان لوگوں نے کہا: جو حکم فرمانا ہے فرمائیے، ہم آپ کا اگر حکم ہو جائے تو آگ کے سمندر میں کود جانے کے لئے بھی تیار ہیں، ہم موسیٰؑ کی قوم نہیں کہ پیغمبر سے کہنے لگیں "آپ اور آپ کے پروردگار جا کے لڑو ہم یہیں بیٹھے رہیں گے" اس جواب سے آپ بہت خوش ہوئے اور اس چھوٹی سی جماعت ہی کو لے کر بدر پہونچ گئے، دشمن کی شوکت وقوت حیران کُن اور خوفناک تھی، مسلمانوں کا حال قابلِ رحم تھا، آپ صفیں درست کرانے کے بعد رجوع الی اللہ ہو گئے اور اس قدر تضرع و ابتہال سے دعائیں مانگیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے فرشتوں کی کمک بھیج کر لشکر اسلام کی ایسی مدد فرمائی کہ کافروں میں سے ستر سردار مارے گئے جو چوٹی کے لوگ مانے جاتے تھے، بقیہ نے بھاگ نکلنے میں عافیت محسوس کی، مسلمان فاتح و منصور واپس آئے۔ اس جنگ نے کافروں کے قلوب پر مسلمانوں کی دھاک تو بٹھا ہی دی، ادھر گھر کے چراغ یہودی اور آستین کے سانپ منافقین کے بھی دماغ ٹھکانے اور دل دھڑکنے لگے۔ **فللّٰه الحجة البالغة** بقیہ غزوات کی تفصیل بڑی کتابوں میں دیکھئے۔

سفر عمرہ:۔

غزوات کا یہ سلسلہ سن چھ ہجری تک چلتا رہا، ذیقعدہ سنچھ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ آپ کعبہ شریف کا طواف کر رہے ہیں، اس خواب کو سُن کر صحابہ کرامؓ کے دلوں میں عمرہ کی آرزو بھڑک اٹھی، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کا ارادہ کر لینے کی درخواست کی، آپ نے عمرہ کا ارادہ فرما لیا اور تقریباً ڈیڑھ ہزار مسلمانوں کے ساتھ

مدینہ منورہ سے مکۃ المکرّمہ کی طرف روانہ ہوگئے ،ادھر مکہ والوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر کی اطلاع ملی تو انھوں نے اطراف واکناف کے تمام قبائل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے اور مکہ میں داخل ہونے سے روکنے پر آمادہ کرلیا اور مکہ کے باہران کی فوجیں اکھٹی کرلیں،ان کی اس سازش کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے راستہ سے ہٹ کر ایک اور مقام پر پڑاؤ ڈال دیا،اور فرمایا کہ آج میں قریش سے ہر ایسی مصالحت کرنے تیار ہوں جس میں صلۂ رحمی ہو۔

بیعتِ رضوان:۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو مکہ والوں سے اس سلسلہ میں بات چیت کرنے کیلئے روانہ فرمایا،مکہ والوں نے ان کا اکرام کیا اوران کو طوافِ کعبہ کی اجازت بلکہ پیش کش کیا،انہوں نے فرمایا: خدا کی قسم! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عثمان طواف نہیں کرسکتا،اسی اثنا میں یہ افواہ اڑادی گئی کہ حضرت عثمانؓ کو مکہ والوں نے قتل کردیا ہے، ظاہر ہے کہ کسی کے سفیر اور ایلچی کو قتل کرنا دنیا کے تمام قوانین میں سخت جرم سمجھا جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ تمام صحابہ عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے میرے ہاتھ پر بیعت کریں،صحابہ کرامؓ بڑے جوش وخروش اور جذبۂ اطاعت سے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے جمع ہوگئے،حضرت عثمانؓ کی یہ کیسی خوش نصیبی ہے کہ ان کے غیاب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے،اس وقت آپ حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے،اللہ تعالیٰ صحابہ کرامؓ کے اس جذبہ اطاعت سے بہت خوش ہوئے اور قرآن کریم میں ان سے اپنی رضامندی کا اعلان فرمایا،اسی وجہ سے اس بیعت کو ”بیعت الرضوان“ کہتے ہیں۔(۶۶) بعد میں حضرت عثمانؓ کے قتل کی یہ خبر غلط ثابت ہوئی۔اور جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

صُلح حدیبیہ:۔

اس کے بعد قریش کے نمائندے بات کرنے کے لئے ایک ایک کر کے آتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک سے یہی کہا کہ ہمارا مقصد عمرہ کرنا ہے، ہم بلا کسی ٹکراؤ کے عمرہ کریں گے اور واپس لوٹ جائیں گے، لیکن ان لوگوں کی سمجھ میں بات آتی ہی نہ تھی، ان کا ایک ہی اصرار تھا کہ اس وقت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہی ہو جائیں، ہم کسی قیمت پر بھی مکہ میں داخل ہونے نہیں دیں گے۔

بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ان کے پیش کردہ شرائط پر صلح کرلی، جن میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اس سال تو مسلمان واپس لوٹ جائیں، لیکن اگلے سال آکر عمرہ کرلیں، ایک شرط یہ بھی تھی کہ دس سال تک آپس میں جنگ بندی رہے گی، اسی طرح اور بھی شرائط تھیں اور اکثر طرفہ اور ظالمانہ تھیں۔ بہر حال صلح نامہ لکھا گیا، دونوں جانب کے متعدد افراد نے اس پر دستخط کی، یہ معاہدہ اگر چہ دیکھنے میں مغلوبیت کے ساتھ کیا گیا تھا لیکن اس کے ذریعہ جو "فتح مبین" حاصل ہونے والی تھی وہ درحقیقت تمام غزوات سے زیادہ نتیجہ خیز و مقصد انگیز تھی، جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھر پور یقین تھا، سورۃ الفتح کی ابتدائی آیات نازل ہونے پر ایک صحابیؓ نے آپ سے سوال کیا کہ "کیا یہی فتح ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اسی کا نام فتح ہے۔

قربانی، حلق اور واپسی:۔

معاہدہ سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام ؓ کو سر منڈانے اور قربانی کرنے کا حکم دیا لیکن حضرات صحابہ کرامؓ (ان مصالح سے لاعلمی کی بنا جنھیں آپ منجانب اللہ

(٦٦) وہ آیت سورۃ الفتح کی اٹھارویں آیت ہے، ارشادِ ربانی ہوا: "بے شک اللہ تعالیٰ ان مومنین سے جنہوں نے درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے ان سے راضی اور خوش ہوگیا، وہ ان کے دلوں کے صدق و اخلاص کو جانتا ہے، اس نے ان مومنین پر اپنی خاص رحمت اتاری اور انہیں فتح مبین کا فائدہ عطا فرمایا جو عنقریب ہونے والی ہے" (سورۃ الفتح:۱۸)

جان گئے تھے) اس معاہدہ سے بہت مغموم اور رنجیدہ تھے، اسی حزن وملال کی وجہ سے انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تکمیل میں کچھ تاخیر کی، اشارہ چشم پر جان نچھاور کرنیوالے عاشقوں کی یہ حالت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دل گیر ہوئے اور اپنی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہؓ کے سامنے اس کا ذکر کیا، انھوں نے مشورہ دیا کہ یا رسول اللہ! پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قربانی کر دیجئے اور سر منڈوا لیجئے پھر یہ لوگ ضرور اطاعت کریں گے، یہ لوگ نافرمان نہیں ہیں بلکہ اس فیصلے پر نظر ثانی کے امیدوار ہوں گے، جب آپ اپنی قربانی ادا کر دیں گے تو انکی توقع ختم ہو جائیگی، اور وہ سب آپ کا اتباع کریں گے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور اپنا جانور ذبح فرمادیا، صحابہ کرامؓ اٹھے اور فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اپنے اپنے جانور قربان کرنا شروع کر دئے۔ (۶۷)

سلاطینِ وقت کو دعوتِ اسلام :-

احرام کے مطالبات پورے کرنے کے بعد یہیں سے مدینہ منورہ کیلئے واپسی عمل میں آگئی، واپس آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے دشمنانِ اسلام اور علاقائی مسائل کی طرف متوجہ رہے، اسی اثنا میں غزوہ خیبر بھی پیش آیا، انہی دنوں رومیوں کے ساتھ جنگ بھی ہوئی، سب سے اہم کام جو اس موقعہ امن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ نے سرانجام دیا وہ وقت کے بادشاہوں اور حاکموں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کا کام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اثنا میں باقاعدہ خطوط لکھ کر صحابہ کرامؓ کے ذریعہ سلاطینِ وقت کے پروانہ فرمائے، روم، ایران، مصر، بحرین، حبشہ، دمشق، یمامہ کے فرماراوؤں کے علاوہ اور بھی ملکوں کے بادشاہوں کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے، جنہیں نام بہ نام آپ نے اسلام کی طرف بلایا اور ماننے نہ ماننے کے

---

(۶۷) اصل میں صحابہ کرامؓ کے دل بجھے ہوئے تھے وہ چاہتے تھے کہ مشرکین مکہ سے مقابلہ کر کے اسی وقت اللہ کے نبی کو حرم میں داخل کریں اور مغلوب ہو کر واپس نہ جائیں، آخر وقت تک اس کی اجازت مل جانے کے امیدوار رہے، لیکن جب آپ نے عملاً اپنا احرام ختم کر دیا تو یقین ہو گیا کہ اب یہ فیصلہ بدلنے والا نہیں اسلئے انہوں نے فوراً قربانی کر کے اور سر منڈا کے احرام کھول لیا۔ اس صورتحال کو سامنے رکھنے والا بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہاں نافرمانی کا کوئی شائبہ تک نہیں ہے۔

انجام سے خبردار کیا۔ان میں سے بعض بادشاہوں نے اس مبارک دعوت کو قبول کرلیا، بعض نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندوں کا اکرام کیا اور عزت دی لیکن مسلمان نہیں ہوئے اور بعض نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والا نامہ اور اس کے لانے والوں کی بے عزتی کی اور غرور واستکبار کا معاملہ کیا۔مثلاً

☆ روم کے بادشاہ قیصر کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ملا تو اسنے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تحقیقات کیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھا، اور اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ ان کی حکومت روم تک پھیل جائیگی، وہ سچے نبی ہیں، مجھے ان کے بارے میں اندازہ تھا مگر یہ نہیں سمجھتا تھا کہ عرب میں ہوں گے، اگر میں ان تک پہونچ سکتا تو ان کے پیر دھونے کو سعادت سمجھتا، یہ سب کچھ کہا مگر ایمان نہیں لایا۔

☆ ایران کے بادشاہ کسریٰ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پہونچا تو اس نے غصے میں اسے پھاڑ ڈالا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حرکت کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی حکومت بھی اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی، چنانچہ جلد ہی اس کی حکومت تباہ ہوگئی۔

☆ یمن کے بادشاہ نے آپ کا خط پڑھ کر اسلام قبول کرلیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حکومت بھی اسی طرح برقرار رکھی۔

☆ اسی طرح حبشہ کے بادشاہ نے بھی اسلام قبول کرلیا وغیرہ۔

عمرۃ القضا کے لئے روانگی:۔

قریش سے معاہدہ تھا کہ اس سال تو بغیر عمرہ کئے واپس جائیں گے البتہ اگلے سال آکر اس کی قضا کرلیں گے، اگلے سال جب آئینگے تو قریش تین دن کیلئے مکہ مکرمہ خالی کر دیں گے، چنانچہ جب آپ پہونچے تو حسب معاہدہ وہ لوگ ایک پہاڑ پر چلے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو ہزار سے زائد مسلمانوں کیساتھ بڑی شان وشوکت سے اور تکبیر وتہلیل کی گونج میں عمرہ کے اعمال کرتے رہے، مشرکین نے مشہور کر دیا تھا کہ مدینہ کی آب وہوا سے متاثر

اور بخار کے شکار ہونیکی وجہ سے مہاجرین بہت کمزور ہو گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ وہ طواف کے دوران اپنی صحت وقوت کا مظاہرہ بھی کریں، چنانچہ بڑے جوش اور ولولے سے بیت اللہ کا طواف اور صفا ومروہ کی سعی کی گئی، مشرکین پہاڑ پر سے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے، صحابۂ کرامؓ کی ظاہری قوت وشوکت کے ساتھ ان کے ایمان کی روحانیت اور نبی کی نورانیت نیز ذکر اللہ کی برکت کو دیکھ کر بہت مرعوب ہوئے اور اپنی پھیلائی ہوئی افواہوں پر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔

سفر عمرہ سے واپسی:-

تین دن کے بعد مشرکین کی طرف سے ان کے نمائندہ نے آکر وعدہ یاد دلایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کو لے کر مکہ سے نکل گئے اور واپس مدینہ منورہ پہونچ گئے۔ مدینہ پہونچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدستور اپنے معاہدہ ـــــ صلح حدیبیہ ـــــ کی پابندی فرماتے رہے، معاہدہ کی پاسداری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض تکلیف دہ حالات سے بھی گذرنا پڑا۔

مثلاً اس معاہدہ کے فوراً ہی بعد ابو بصیر نامی ایک صاحب مکہ سے مسلمان ہو کر آئے اور کسی طرح مدینہ منورہ پہونچ گئے، معاہدہ یہ طئے تھا کہ اگر کوئی شخص مکہ سے مسلمان ہو کر مدینہ آجائے تو اسے مکہ والوں کے حوالہ کر دیا جائے، قریش نے دو آدمیوں کو حسبِ معاہدہ انہیں واپس لانے کے لئے روانہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے لئے اس پر عمل اگر چہ بہت شاق تھا کہ ایک مسلمان کو اپنے ہاتھوں دشمنوں کے سپرد کر دیا جائے مگر آپ نے معاہدہ کا احترام برقرار رکھا اور ابو بُصیر کو ان کے حوالہ فرما دیا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ابھی صلح نامہ لکھا ہی جارہا تھا کہ ابو جندلؓ زنجیروں میں جکڑے ہوئے پہونچے، اپنے جسم کے زخموں کو دکھا کر مسلمانوں سے پناہ لینے کی خواہش ظاہر کی، صحابہؓ کے دل ان کو دیکھ کے تڑپ اٹھے، اس وقت نبی کے قلب مبارک کا حال کیا ہوا ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امان دینی چاہی مگر مشرکوں نے نہ مانا اور کہا کہ وعدہ وفا کرنے کا یہ پہلا موقعہ ہے، آخر کار آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ابو جندلؓ و مکہ والوں کے حوالہ کر دیا۔ اور انہیں تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی راستہ نکالے گا۔ غرض ان تکلیف دہ واقعات کے باوجود مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''عہد'' کا احترام ملحوظ رکھا، اس معاہدہ کی رو سے چونکہ دس سال تک مکہ والوں سے تو کوئی مقابلہ نہ تھا، اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی توجہ دیگر علاقوں اور دوسرے دشمنوں سے نمٹنے کی طرف مبذول رکھے رہے، اس عرصے میں مشرکین کی بعض اہم شخصیتوں کو اسلام کے سمجھنے کی توفیق ملی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ غرض! یہ معاہدہ بظاہر شکست تھا مگر فی الحقیقت فتح اور فتحِ مبین کا پیش خیمہ تھا۔

قریش کی عہد شکنی:۔

صلح حدیبیہ میں ایک معاہدہ یہ بھی ہوا تھا کہ دس سال تک آپس میں کوئی جنگ نہیں کی جائیگی، نیز قبائلِ عرب میں سے جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ ان کے ساتھ ہو سکتا ہے اور جو قریش کے ساتھ مل جانا چاہے تو اُسے اختیار ہے کہ ان کے ساتھ شامل ہو جائے۔ اس گنجائش کے مطابق قبائلِ عرب میں سے ''بنی خزاعہ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں داخل ہوئے اور ''بنی بکر'' قریش کے ساتھ مل گئے، کچھ دنوں کے بعد ''بنو بکر'' نے قریش کی مدد سے معاہدہ کی اس دفعہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کسی پُرانے جھگڑے کا بدلہ لینے کے لئے ''بنو خزاعہ'' پر حملہ کر دیا، وہ لوگ بچاؤ کے لئے حرم میں داخل ہوئے تو قریش نے وہاں بھی انھیں نہیں چھوڑا، بنو خزاعہ کا چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ تھا اسلئے ان لوگوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس ظلم و جبر کی شکایت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا کہ تمہاری مدد ضرور کی جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو قریش کے پاس بھیجا کہ تم لوگوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے، اور ہمارے حلیف قبیلہ والوں پر ظلم کر کے ان کے آدمیوں کو قتل کر دیا ہے، اب یا تو ان مقتولوں کی دیت یعنی جان کا فدیہ ادا کرو یا پھر ہمارے ساتھ لڑائی کیلئے تیار ہو جاؤ، قریش نے دیت ادا کرنے سے انکار کر دیا اور جنگ کیلئے آمادہ ہو گئے۔

قریش پر فوج کشی:-

چونکہ عہد شکنی کی ابتدا قریش نے کی ، اور اس کی وجہ سے جنگ بندی کا معاہدہ خود بخود ختم ہو گیا اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حلیف قبیلہ پر ظلم کا انتقام لینے اور ان کی جائز مدد کرنے کے لئے قریش پر فوج کشی کا صحابہؓ کرام کو حکم دے دیا۔ ادھر ابوسفیان نے دیکھا کہ معاملہ پیچیدہ ہو گیا ہے اور غلطی ہمارے فریق کی ہے —— کہ ایک تو عہد شکنی کی ، دوسرے غلطی تسلیم کر کے مقتولوں کا خوں بہا ادا کرنے کے بجائے اُلٹے لڑائی کے لئے تیار ہو گئے —— تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ پہونچ کر تجدید معاہدہ کی درخواست کی ، لیکن اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجدید کو نامناسب سمجھتے ہوئے اپنے حکم کو برقرار رکھا اور صحابہ کرامؓ کو سفر کی تیاری جاری رکھنے کی ہدایت دی ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تیار ہو گئے اور ۱۰ / رمضان سن آٹھ ہجری کو مسلمانوں کے ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہو گئے ، یہ دس ہزار مجاہدین اسلام کا لشکر جرار تھا۔

مکہ مکرمہ فتح ہو گیا:-

قریش مسلمانوں کے لشکر اور اس کی شان و شوکت کی تاب نہ لا سکے مقابلہ کی جرأت نہ ہونے کی وجہ سے پسپا ہوتے چلے گئے ، یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا اور ۲۰ / رمضان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں فاتحانہ مگر عاجزانہ داخل ہوئے۔ اس عظیم الشان فتح کے وقت طبعی مسرت و خوشی اپنی جگہ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت اور کعبۃ اللہ کے احترام کا اس قدر غلبہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن جھکی جا رہی تھی ، یہاں تک کہ آپ کی داڑھی مبارک اونٹنی کے کجاوے سے ٹکرا رہی تھی ، اور سرور وانبساط کے موڈ میں بڑی خوش الحانی سے سورۃ الفتح کی تلاوت فرماتے جا رہے تھے۔ اس موقعہ پر ظالموں اور دشمنوں کو جس فراخدلی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرمایا اور جس خلق کریم کا مظاہرہ فرمایا اس کی مثال تاریخِ عالم نہ ماضی میں پیش کی ہے نہ آئندہ پیش کر سکتی ہے۔

ہر ایک کیلئے معافی:-

حد یہ ہے کہ جن لوگوں کو آپ ان کی بدترین دشمنی اور ایذا رسانی کی وجہ سے معاف کرنا نہیں چاہتے تھے مثلاً ''ہبار بن الاسود'' جس نے حضرت زینب بنت رسول اللہ کو ہجرت سے روکا تھا، اور آپ کے پیٹ پر برچھی ماری تھی، ان کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر غلطی تسلیم کرنے اور معافی چاہنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی معاف فرمادیا اور ان کے اسلام کو قبول فرمالیا۔ اسی طرح عکرمہ بن ابی جہل جو پہلے اپنے باپ کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن تھے، ان کو بھی معاف کر کے ان کا اسلام قبول فرمالیا۔ اسی طرح ابوسفیان بن حرب اور ابوسفیان بن حارث کو معاف کر دیا، باوجود یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ ابولہب کے بیٹے عتبہ اور عتیبہ کو جنہوں نے اپنے باپ کے حکم سے آپ کی بیٹیوں کو طلاق دیدیا تھا ڈھونڈ کے بلایا اور سمجھا کر مسلمان بنایا اور فرمایا کہ میں نے ان دونوں کو اللہ سے مانگا تھا۔ وغیرہ

معافی ہی نہیں احسان بھی:-

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند واجب القتل افراد کے علاوہ (۶۸) تمام مشرکین کیلئے نہ صرف معافی کا اعلان فرمادیا بلکہ بعضوں پر تو مزید احسانات بھی فرمائے، مثلاً حضرت ابوسفیان بن حرب باوجود یہ کہ وہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے دشمن تھے، مگر انہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ حاصل کی تو نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پناہ دی بلکہ ان کے گھر میں داخل ہو جانے والے کو بھی پناہ دیدی، ان کی سفارش پر اپنے

(۶۸) یہ کل پندرہ آدمی تھے فتح مکہ کے دن جن کے خون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال فرمادیا تھا، کیونکہ ان کو معاف کرنا سینکڑوں بندگانِ خدا کے ساتھ ناانصافی کا سبب تھا، جبکہ ان کا قتل کردیا جانا کفر کی طاقت ٹوٹنے اور ظالموں جابروں اور مغروروں کے دماغ ٹھکانے لگنے کا سبب تھا، اسلئے آپ نے ان کے قتل کا حکم فرمایا۔ ان میں سے چھ قتل کئے گئے ایک اپنی موت آپ مرگیا، بقیہ آٹھ نے کسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے امان حاصل کر کے اسلام قبول کرلیا، ان کے جرائم یقیناً ناقابل معافی تھے مگر یہ رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ظرف کی وسعت تھی

اپنے گھروں میں بند ہو جانے والوں کو بھی امن کا پروانہ دیدیا، ان کی شکایت پر **الیوم یوم الملحمة** کا نعرہ لگانے والے حضرت سعد بن عبادہؓ کو ڈانٹا، ان کے ہاتھ سے جھنڈا لے لیا اور **الیوم یوم المرحمة** کا نعرہ دیا، اسی طرح ابوسفیان بن حارث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت دشمنی اور آبروریزی کیا کرتے تھے، اس موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے اور حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے الفاظ دہراتے ہوئے **تاللّٰہ لقد اٰثرک اللّٰہ علینا وان کنا لخاطئین** کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے الفاظ میں **لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللّٰہ لکم** کہہ کر نہ صرف انہیں معاف فرمادیا بلکہ آپ نے ان کے لئے جنت کی شہادت بھی دی۔ اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبۃ اللہ میں داخل ہو کر نماز ادا فرمائی تو باہر نکلنے کے بعد عثمان بن ابوطلحہ کو بُلا کر چابی انہیں کے حوالہ کردی اور مزید کرم یہ فرمایا کہ اب ہمیشہ یہ خدمت تمہاری ہی نسل میں رہے گی۔ اسی طرح عتاب بن اُسید مسلمان ہوئے تو انہیں مکہ کا گورنر بنادیا۔ وغیرہ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سینکڑوں دشمن گرویدۂ اسلام وایمان ہوگئے۔

کعبہ شریف ہمیشہ کے لئے پاک ہوگیا:-

بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبۃ اللہ کے اندر مشرکین کے رکھے ہوئے تین سوساٹھ بتوں کو اسی طرح لکڑی سے بنائے ہوئے کبوتر کو پھنکوا دیا اور کعبے کو صاف کروایا، اس کی دیواروں پر بنی ہوئی تصویروں کو مٹوایا، اس کے بعد اس میں داخل ہو کر نماز ادا فرمائی، اور باہر آ کر اس کا طواف کیا پھر صفا پہاڑی پر چڑھ کر بیٹھ گئے وہاں مردوں اور عورتوں کو بیعت فرمایا(۶۹) حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر ظہر کی اذان کہی، اذان کے بعد نماز باجماعت ادا کیگئی۔ اس کے بعد آپ نے مختلف صحابۂ کرامؓ کو اطراف واکناف کے

کہ ان کی معذرت قبول کرلی اور معاف کر کے ان کے لئے استغفار فرمایا (دیکھئے تفصیل کیلئے سیرۃ المصطفیٰ جلد دوم)

(۶۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو بھی بیعت فرماتے تھے، مگر ان سے مصافحہ نہیں فرماتے تھے، زبانی طور پر اقرار لے کر فرمادیتے تھے کہ جاؤ میں نے تمہیں بیعت کرلیا۔ (بخاری: ۲/۲۶ ۷)

مشہور بت کدوں کی جانب روانہ فرمایا تا کہ وہاں موجود بتوں کو ختم کر کے کفر و شرک کا سلسلہ پورے جزیرۃ العرب میں بند کر دیا جائے۔

عام الوفود:-(۷۰)

جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا، اور عرب کا سب سے بااثر خاندان "قریش" اسلام دشمنی سے باز آ کر ہتھیار ڈالنے اور اسلام قبول کر لینے پر مجبور ہوگیا تو دیگر قبائل عرب کیلئے سوائے مسلمان ہو جانے کے اور کوئی راستہ نہ رہا، سن نو ہجری میں خوب تیزی سے اسلام پھیلتا رہا، مختلف قبائل کے وفود خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے اسلام کو سمجھتے اور قبول کرتے رہے، اسی وجہ سے اس سال کو اہل سیرت "عام الوفود" کہتے ہیں کتب سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مختلف علاقوں اور قبیلوں سے آپ کی خدمت میں پہونچ کر مشرف بہ اسلام ہونے والے وفود کی تعداد ایک سو سے متجاوز ہے۔ مختصر یہ کہ دیکھتے دیکھتے سارا عرب اسلام کے زیر نگیں اور حضرت **محمد** صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کے تحت آ گیا۔ پھر یہ سلسلہ دور دور تک پھیلتا چلا گیا، بالآخر وہ اسلام جس کا آغاز بہت ہی کمزوری اور کس مپرسی کے عالم میں ہوا تھا صرف تیرہ سالہ صبر اور آٹھ سالہ مقابلہ کے بعد ایسا غالب ہوا کہ چوطرف اسی کا سکہ اور اسی کا حکم قائم ہوگیا۔ **فللہ الحمد و صلی اللہ علی النبی الکریم** ۔

صدیقِ اکبرؓ امیر الحجاج بنائے گئے:-

اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت ابوبکرؓ تین سو مسلمانوں کو لے کر حج کے ارادے سے مکہ مکرمہ پہونچے، مشرکین نے بھی حسب معمول حج کیا، اس حج کے موقعہ پر حضرت علیؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سورۂ برأت سنا کر اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کیلئے حرم شریف میں داخل نہ ہو سکے گا، (۷۱) اور نہ کسی کو اجازت ہوگی کہ اپنی سابقہ رواج کے مطابق کعبۃ اللہ کا برہنہ طواف کرے، ظاہر ہے کہ اگلے سال نبی کریم

---

(۷۰) وفود وفد کی جمع ہے، وفد گروہ اور ٹیم کو کہتے ہیں، عام سال کو کہتے ہیں۔ سن نو ہجری میں لوگ گروہ در گروہ مدینہ آ کر مسلمان ہوتے رہے، اسی کا ذکر **ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً** والی آیت میں ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم کو حج کرنا تھا، اور خالص اسلامی حج کا عملی مظاہرہ ہوکر ان مناسک کا قیامت تک محفوظ ہو جانا ضروری تھا، اگر حج کے جاہلی رسوم اور غیر مسلم لوگ اس حج میں حسبِ معمول شریک رہتے تو اس اہم عبادت کے خالص اسلامی طریقے کا مظاہرہ اور پھر اسکی حفاظت مشکل ہو جاتی۔ حضرت علیؓ کے اعلان کو سُن کر مشرکین آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے کہنے لگے کہ آخر اور کس بات کا ہمیں انتظار ہے، قریش تو مسلمان ہو گئے، ہم بچ رہ گئے ہیں، چنانچہ اکثر لوگوں نے دینِ اسلام قبول کر کے اپنے کو ہلاکت و محرومی سے بچا لیا، اور جو بدنصیب تھے وہ مکہ چھوڑ کر چلے گئے۔

حجۃ الوداع یا حجۃ البلاغ:-

اگلے سال سن دس ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سفرِ حج کا ارادہ ظاہر فرمایا، اس خوشخبری کو سن کر تمام صحابہؓ کرام کے دل آپ کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کرنے کیلئے مچلنے لگے، آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ جن لوگوں کو کچھ عذر نہیں وہ میرے ساتھ حج کر کے اس کا صحیح طریقہ سیکھ لیں، چنانچہ ہزاروں مرد و خواتین بڑے جوش و خروش سے اس مبارک قافلہ میں شامل ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام ازواجِ مطہرات کو بھی ساتھ لیا، سیدہ فاطمہؓ اور حضرت علیؓ بھی ہمراہ رہے۔ راستہ تمام اور مکہ مکرمہ پہنچ کر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مناسک حج کی تعلیم فرماتے اور طریقۂ حج سکھاتے رہے، وقتاً فوقتاً اسلام کی بنیادی تعلیمات پر مشتمل خطبے بھی دیتے رہے، عرفات پہنچے تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبلِ رحمت کے اوپر چڑھ کر تقریباً ایک لاکھ یا اس سے زائد مسلمانوں کے مجمع سے خطاب فرمایا، اس خطاب

(۱۷) یہ سورہ برأت کی ابتدائی چار آیات ہیں، اس آیت کا نزول حضرت ابوبکرؓ کی روانگی کے بعد ہوا تھا، اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اس کے اعلان کا مامور بنا کر روانہ فرمایا، ان کی مدد کے لئے ساتھ میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عقیل بن عمرؓ وغیرہ کو بھی کر دیا، حضرت علیؓ نے مکہ پہونچ کر چار باتوں کا اعلان کیا: ۱۔ جنت میں صرف مسلمان داخل ہوں گے کوئی اور نہیں۔ ۲۔ کعبۃ اللہ کا برہنہ طواف اب کبھی نہیں کیا جائے گا۔ ۳۔ جس کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ ہے وہ معاہدہ مدت کی تکمیل تک قائم رہے گا۔ ۴۔ آئندہ سال سے کسی مشرک کو حج کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ (مسلم ۲/۹۸۲)

میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی بنیادی اور اہم باتوں کی طرف توجہ دہانی فرمائی، اس حج کو حیاتِ طیبہ کے آخری سال واقع ہونے کی وجہ سے یا آئندہ سال ملاقات نہ ہو سکنے کے اعلان کی وجہ سے ''حجۃ الوداع'' اور دعوت وتبلیغ کی تکمیل ہو جانے کی وجہ سے ''حجۃ البلاغ'' نیز اسلام کی بنیادی اور ضروری تعلیمات کے اعلان کی وجہ سے ''حجۃ الاسلام'' کہتے ہیں۔

سفرِ آخرت کی تیاری :-

ویسے تو شروع ماہِ صفر سن گیارہ ہجری ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفرِ آخرت کی تیاری کا آغاز فرما دیا تھا، اس سے قبل حج کے دوران جب **اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً** نازل ہوئی تو اس وقت بھی فرما دیا تھا ''شاید اس کے بعد پھر تم سے ملنا نہ ہو اور شاید آئندہ تمہارے ساتھ میں حج نہ کر سکوں'' پھر واپسی کے بعد جب **اِذَا جَاءَ نَصْرُاللّٰہِ وَالْفَتْحُ** نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیح، تحمید اور توبہ واستغفار کی کثرت شروع فرما دی، اہم وصیتیں فرماتے رہے، اپنے اصحابِ کرامؓ کو بہت حکیمانہ انداز میں صبر کی تلقین فرماتے رہے۔

ایک دن شہدائے احد کے مقابر پر تشریف لے گئے ان کے لئے دعاءِ مغفرت فرمائی، ایک رات جنت البقیع تشریف لے گئے اور وہاں آرام کرنے والے مسلمانوں کیلئے دعا فرمائی، یہ بھی فرمایا کہ ''مبارک ہو کہ تم ان آزمائشوں سے محفوظ ہو جس میں لوگ مبتلا ہیں، فتنے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ایک کے پیچھے ایک بڑھتے جا رہے ہیں اور ہر اگلا فتنہ پچھلے فتنہ سے بدتر ہے''

ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ سے فرمایا: جبرئیل ہر سال رمضان میں میرے ساتھ قرآن کریم کا صرف ایک دور کرتے تھے، اس سال دو دور کئے ہیں، میں گمان کرتا ہوں کہ میری روانگی کا وقت قریب آ گیا ہے۔ نیز اس رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس کے بجائے بیس یوم کا اعتکاف فرمایا۔(۷۲)

ایک مرتبہ منبر مبارک پر تشریف فرما ہو کر مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"میں تم کو اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرتا ہوں اور تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈراتا ہوں، دیکھو لوگو! اللہ کی زمین پر تکبر اور غرور سے مت رہا کرو"۔ اس مختصر مگر مفید و جامع وصیت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے امن و امان کیلئے نیز رحمتِ خداوندی کے نزول اور رزق کی فراخی کے لئے دعائیں دیں۔

معاملات کی صفائی:۔

ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے اور صحابہ کرامؓ کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اگر میں نے کسی کو مارا ہو یا بُرا بھلا کہا ہو تو وہ مجھے معاف کر دے یا انتقام لے لے، اور اگر میرے ذمہ کسی کا پیسہ باقی ہے تو وہ مجھے معاف کر دے یا مجھ سے اپنا حساب کتاب کر لے، خبردار! اس معاملہ میں کوئی شخص شرم یا میری ناراضگی کا لحاظ و خیال نہ کرے، کیونکہ دنیا میں معاملات کی صفائی آسان ہے مگر قیامت کے دن یہ کام بہت مشکل ہے۔

مرض الوفات:۔

۲۹ر صفر سن گیارہ ہجری دوشنبہ کے دن کسی جنازہ میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے واپسی ہی سے صحت مبارک ناساز رہنے لگی، دردِ سر اور بخار شدید ہو گیا، بخار اس قدر شدید تھا کہ سرِ مبارک پر جو رومال ڈال رکھا تھا بخار کی حرارت اس کے اوپر سے بھی محسوس ہو رہی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں بھی ۱۱ر یوم تک نماز کیلئے مسجد تشریف لاتے اور امامت فرماتے رہے، آخری دنوں میں تمام ازواجِ مطہرات کو جمع فرما کر ان سے حضرت عائشہؓ کے گھر میں مستقل قیام کرنے کی اجازت لے لی، سب بیویوں نے بخوشی رضامندی ظاہر کی، ان دنوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر اکثر یہ کلمات رہتے تھے۔ **اللّٰھم اغفرلی و الحقنی بالرفیق الاعلیٰ** (۷۳)

ایک دن اسی اثنا میں غسل فرمایا اور طبیعت ہلکی محسوس فرمائی تو مسجد مبارک میں

(۷۲) اسی وجہ سے بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ آدمی کو عمر کے آخری ایام میں عبادات، اور دعا و استغفار کی کثرت اور رجوع الی اللہ کا اہتمام رکھنا چاہئے، آج کل افسوس ہے کہ اس عمر میں دنیا کے جھمیلے ہی بڑھتے جاتے ہیں۔

تشریف لائے اور اپنے دیدار کے لئے بے تاب ومنتظر صحابہؓ سے فرمایا کہ: "ایک قوم نے تم سے پہلے اپنے نبی کی قبر کو سجدہ گاہ بنالیا تھا مگر تم لوگ ایسا ہرگز نہ کرنا، کیونکہ جو کوئی انبیاء کی قبر پر سجدہ کرتا ہے اس پر اللہ کا سخت غضب ہوتا ہے، دیکھو! میں تمہیں ایسی حرکت کر کے غضبِ خداوندی کے مستحق بننے سے منع کرتا ہوں، میں تبلیغ کر چکا" (تمہارا کام اتباع ہے) یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے فریضہ کی ادائیگی پر گواہ بنایا، اس کے بعد نماز پڑھائی، نماز کے بعد منبر مبارک پر آخری مرتبہ چڑھے اور فرمایا کہ "ایک بندے کو زندگی اور موت کے بارے میں اختیار دیا گیا تو اس نے آخرت کو دنیا کے مقابلہ میں پسند کر لیا ہے۔"(۷۴) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے بارے میں خصوصی وصیت فرمائی، ان کے احسانات کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ انصار کی اچھائیاں قبول کر لو اور کوئی غلطی ہو جائے تو درگذر کر دیا کرو۔

آخری امامت، آخری خطاب:۔

جمعرات کے دن کی مغرب وہ آخری نماز تھی جو صحابہ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں ادا کی، اس نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "سورہ مرسلات" کی تلاوت فرمائی، اس دن نمازِ عشاء کے لئے بھی مسجد آنے کو بہت بے چین ہوئے مگر تشریف نہ لا سکے، حضرت ابوبکرؓ کو ہدایت دی کہ وہ امامت کریں، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی، یہ صدیقِ اکبرؓ کی خلافت بلافصل کا عملی اعلان تھا، یہیں سے خلیفۂ اول صدیق اکبرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت ونیابت کا منصب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جیتے جی سنبھال لیا تھا۔

سنیچر یا اتوار کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چالیس غلاموں کو آزاد فرما دیا

---

(۷۳) اے اللہ! میری بخشش فرما دیجئے اور رفیق اعلیٰ سے ملا دیجئے، رفیق اعلیٰ سے مراد انبیاء وشہداء وغیرہ ہے جیسا کہ دوسری روایت میں ہے کہ اس سے قبل آپ انعم اللّٰہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین بھی پڑھا کرتے تھے۔

(۷۴) یہ سنتے ہی صدیق اکبرؓ سمجھ گئے کہ آپ اپنی جدائی کا اعلان فرما رہے ہیں، روتے ہوئے عرض کیا: نہیں ہم اپنی اور اپنی اولاد کی جانیں آپ کی زندگی کے لئے قربان کر دیں گے، آپ نے فرمایا: ابوبکرؓ قابو میں رہو۔ پھر

اورصرف سات دینار جو گھر میں رکھے ہوئے تھے انہیں بھی خیرات کروا دیا، اپنے ہتھیار مسلمانوں کو عطا فرما دیئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ اس وقت ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، اس شب میں گھر کی حالت یہ تھی کہ حضرت عائشہؓ کو اپنا چراغ جلانے کیلئے تیل پڑوس سے منگوانا پڑا۔

پیر کے دن صبح کی نماز ہو رہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرۂ مبارکہ کا پردہ اٹھا کر نماز باجماعت کے پرکشش منظر کا نظارہ فرمایا، نماز باجماعت کا منظر دیکھ کر چہرہ انور مسرت وخوشی سے چمک اٹھا، ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی، کیونکہ یہ آپ کی تیئس سال کی قربانیوں کا ثمرہ تھا۔

حضرت فاطمہؓ کو خوشخبری:۔

دن چڑھے حضرت فاطمہ زہراؓ ملاقات کو آئیں تو قریب بلا کر ان کو وفات کی خبر دی یہ خبر سن کر وہ رو پڑیں، پھر آپ نے قریب کر کے انہیں یہ بتلایا کہ غم مت کرو مجھ سے سب سے پہلے ملنے والی تم ہی ہو، اس پر وہ خوشی سے ہنسنے لگیں۔ آپ کی شدت تکلیف کو دیکھ کر حضرت فاطمہؓ نے "آہ" بھری تو فرمایا: "آج کے بعد تیرے باپ کو پھر کبھی تکلیف نہ ہوگی" بعد ازاں حضرات حسنین کرامؓ کو قریب کر کے ان کا بوسہ لیا، پھر ازواجِ مطہرات کو جمع کر کے کچھ نصیحتیں فرمائیں، حضرت علیؓ کو بلا کر انھیں بھی کچھ نصیحت فرمائی اس کے بعد عام مسلمانوں کیلئے ارشاد فرمایا کہ "نمازوں کا خاص خیال رکھیں اور اپنے ماتحتوں سے اچھا سلوک کیا کریں"۔

آپ نے ارشاد فرمایا: میرے بعد مسجد میں کھلنے والے سب دروازے بند کر دیئے جائیں، سوائے ابوبکرؓ کے دروازے کے میں نہیں جانتا کہ ابوبکرؓ سے بڑھ کر بھی کوئی میرے نزدیک بہتر ہے، اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا، لیکن وہ میرے ایمانی بھائی اور میرے ساتھی ہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور ان کو اپنے پاس جمع فرمائیں۔ (ابن ہشام عن البخاری: ۳۰۶/۱)

آخری لمحاتِ حیات اور وفات:-

اس کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزع کی کیفیت طاری ہوئی اس وقت صدیقہ عائشہ ؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے سے سہارا دیئے بیٹھی تھیں، سرہانے پانی کا پیالہ رکھا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں ہاتھ ڈبا کر چہرہ انور پر ملتے جا رہے تھے، زبان مبارک پر یہ کلمات تھے۔ **لا الہ الا اللّٰہ ان للموت سکرات** ”اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، بے شک موت کی ایک زبردست سختی ہے“۔

حضرت عائشہؓ کے بھائی عبد الرحمٰن بن ابو بکرؓ گھر میں آئے تو ان کے ہاتھ میں مسواک دیکھ کر اس کی رغبت ظاہر فرمائی، حضرت عائشہؓ نے اسے دانتوں سے نرم کر کے پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دانتوں میں مسواک کر کے دونوں ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا فرمائی۔ **اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ**(۷۵)

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس زبان مبارک کے آخری الفاظ تھے جو ۲۳ / برس سے پیغامِ خداوندی کے پہونچانے اور اللہ کی طرف بندوں کو دعوت دینے میں دن رات مصروف تھی، اس کے بعد اللہ کے اس محبوب اور آخری نبی کی زبان مبارک قیامت تک کیلئے خاموش ہو گئی، دنیا وحی کی برکات اور زبان نبوت کے کلمات سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئی۔(۷۶)

صحابہ کرامؓ کا حال:-

یہ ربیع الاول کی بارھویں تاریخ دوشنبہ کا دن اور چاشت کا وقت تھا اور ہجرت کا گیارھواں سال تھا! **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون**

دیکھتے دیکھتے یہ دل گداز و جاں سوز خبر اطراف و اکناف میں پھیل گئی، صحابۂ کرامؓ

---

(۷۵) بخاری و مسلم میں آپ کے آخری کلمات اس طرح مذکور ہیں: **مع الذین انعمت علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین، اللھم اغفر لی وارحمنی والحقنی بالرفیق الاعلیٰ، اللھم فی الرفیق الاعلیٰ اللھم فی الرفیق الاعلیٰ اللھم فی الرفیق الاعلیٰ** ۔اس کے بعد آپ کے دستِ مبارک بستر پر گر گئے اور آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔(فتح الباری ۸/۱۴۲)

اس اندوہناک خبر کو سن کر حیران و پریشان ہو گئے، کوئی جنگل کی طرف بے تحاشہ بھاگ رہا تھا تو کوئی بے زبان بنا کھڑا تھا، عمر فاروقؓ تو مانتے ہی نہ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، حضرت عثمانؓ اپنے آپ میں نہیں تھے، ازواج مطہراتؓ الگ پریشان تھیں فاطمہ بتولؓ علیحدہ سوگوار تھیں، کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کیا ہو گیا؟

خلیفۂ اول نے امت کو سنبھالا:۔

صدیق اکبرؓ ایک ہی دن قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت سے ذرا مطمئن ہو کر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر گھر چلے گئے تھے، اس حادثہ کی اطلاع ملنے کے بعد سر جھکائے ہوئے اور آنسو بہاتے ہوئے واپس تشریف لائے، حجرۂ عائشہؓ میں داخل ہوئے، چہرۂ انور سے چادر ہٹا کر جبین مبارک کو بوسہ دیا اور قرآن کریم کی آیت **اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمۡ مَّیِّتُوۡنَ** پڑھی۔

مسجد میں تشریف لا کر وفات حسرت آیات کی تصدیق کی اور صحابہ کرامؓ کو صبر وثبات سے کام لینے اور صحیح معنوں میں آپ کے دین کی پیروی کرتے رہنے کی تلقین فرمائی اس موقعہ پر آپ نے قرآن کریم کی آیات **وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئاً** کی تلاوت سے سب کی عقلوں کو چونکا دیا۔ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو بس اللہ کے ایک رسول ہیں، اگر وہ وفات پا جائیں یا انہیں شہید کر دیا جائے تو کیا تم اپنے دین سے پھر جاؤ گے؟ اور اگر کوئی ایسا کرے تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہ پہونچا سکے گا، اپنا ہی کچھ کھوئے گا۔

اس خطبہ کو سننے کے بعد تمام صحابہ کرامؓ کے قلوب قابو میں آئے اور انہوں نے فیصلۂ

(۷۶) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بولنے لگے تو آپ کی زبان مبارک سے سب سے پہلے اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا نکلا تھا، حضرت حلیمہؓ نے اس کی شہادت دی۔ (نشر الطیب عن البیہقی)

خداوندی کے آگے سراطاعت خم کرتے ہوئے اور اپنے دلوں کو آمادۂ صبر بناتے ہوئے اگلے مسائل کو حل کرنے اور اپنے نبی کے جسدِ مبارک کو ان کے خدا کے حوالہ کرنے کے کاموں میں مصروف ہو گئے، حضرت ابوبکرؓ کی امارت میں حضرت علیؓ نے غسل دیا، حضرت عباسؓ اوران کے دو صاحبزادوں فضلؓ اور قثمؓ نے اس کام میں مدد کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صدیقہ عائشہؓ کے حجرہ میں کھودی گئی قبر مبارک کے کنارے رکھ کر صدیق اکبرؓ کی ہدایت کے مطابق سب لوگ باہر نکل آئے، پہلے فرشتوں نے نماز جنازہ پڑھی، پھر گروہ در گروہ صحابۂ کرام اندر جاتے اور انفرادی طور پر نماز جنازہ پڑھ کر آتے رہے، با جماعت نماز نہیں پڑھی گئی، کافی دیر تک یہ سلسلہ چلتا رہا، جب سب لوگ نمازِ جنازہ سے فارغ ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد نورانی کو حضرت علیؓ، حضرت فضلؓ بن عباسؓ، حضرت اسامہؓ بن زیدؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے قبر میں اتار کر حق تعالیٰ کی امانت حق تعالیٰ کے حوالہ کردی۔ حاضرین نے قبر اطہر کو مٹی دینے کی سعادت حاصل کی، قبر مبارک کے اوپر مٹی کو اونٹ کی کوہان کی شکل میں زمین سے قدرے بلند کیا گیا، اور اس پر پانی چھڑکا گیا۔ اس طرح زمین کے اس مبارک حصے نے نبوت کے آفتاب اور رحم وکرم جود وسخاوت کے پیکر کو اپنی آغوش میں چھپالیا۔

نفسی الفداء لقبر انت ساکنه
فیه العفاف وفیه الجود والکرم (۷۷)

اللهم صل وسلم وبارک علیه وعلی اٰله وازواجه وخلفائه واصحابه اجمعین الی یوم الدین

خلیفہ رسولؐ کا باقاعدہ انتخاب:-

خلافت پر حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب کس طرح ہوا اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں،

(۷۷) میری جان اس قبر پر قربان جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں، اس قبر میں عفت وعصمت اور جود وسخا کے خزانے پوشیدہ ہیں۔ جمہور علماء اسلام کے نزدیک۔ زمین کا وہ حصہ جو آپ کے جسم مبارک سے ملحق ہے زمین وآسمان اور بیت اللہ سے بھی زیادہ معظم ومتبرک ہے۔

ان سب کو سامنے رکھ کر مختصراً اس کا واقعہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو انصار مدینہ ایک جگہ جمع ہو کر آپ کے خلیفہ کو منتخب کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے، بعض کا خیال تھا کہ مہاجرین مہاجرین میں سے کسی کو خلیفۂ رسول بنالیں اور انصار انصار میں سے کسی کا انتخاب کرلیں، بعض کی رائے تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاندان قریش سے تعلق رکھتے تھے تو ان کا خلیفہ بھی قریش میں سے ہی ہونا چاہئے، اور انصار پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار رہتے تھے تو اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کے مددگار رہیں گے۔ اتنے میں حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر وہاں پہونچ گئے، اور حضرت ابوبکرؓ کے مناقب وفضائل بتلا کر اور خلافت کے لئے ان کا سب سے بڑھ کر حق دار ہونا ثابت کر کے انصار کو ان کی بیعت پر آمادہ کرلیا، چنانچہ یہاں جمع لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر ان کی خلافت کے لئے بیعت کرلی، حضرت عمرؓ وہاں سے حضرت ابوبکرؓ کو لے کر مسجد نبوی میں آئے، یہاں بھی حضرت ابوبکرؓ کے فضائل بتلا کر مہاجرین سے خواہش کی کہ سب لوگ کھڑے ہو کر حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کرلیں، چنانچہ سب لوگوں نے ان سے بیعت کر کے ان کی خلافت تسلیم کرلی، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے مجمع پر نظر ڈالی تو اس میں حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ کو نہیں پایا، آدمی کو بھیج کر ان حضرات کو بلوایا اور جب وہ لوگ آگئے تو فرمایا کہ میں اپنی پسند سے امیر نہیں بنا ہوں، آپ لوگ کسی اور کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں تو اب بھی موقعہ ہے بنالیں مگر امت کو کمزور نہ کریں، ان حضرات نے فرمایا: آپ ہمارے سلسلہ میں فکر مند نہ ہوں، ہمیں صرف ایک بات سے تکلیف ہوئی وہ یہ کہ آپ لوگوں نے اتنے اہم مسئلہ کے مشورہ میں ہماری شرکت ضروری نہ سمجھی، ہم آپ کو خلیفہ کیوں نہیں مانیں گے جب ہم نے اپنے دین (یعنی امامتِ نماز) میں آپ کو خلیفہ مان لیا تو اپنی دنیا (یعنی امارت وخلافت) کیلئے آپ کو خلیفہ ماننے میں ہمیں کیا تردد ہو سکتا ہے؟ یہ کہہ کر ان حضرات نے بھی حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر ان

سے بیعت کر لی، تمام مسلمانوں کے اتفاق کے بعد حضرت ابوبکرؓ منبر پر چڑھے اور پہلا خطبۂ خلافت دیا۔

صدیق اکبرؓ کا پہلا خطبۂ خلافت :-

حضرت ابوبکرؓ نے حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا:

لوگو! مجھے امیر اور خلیفہ بننے کا کبھی شوق نہ ہوا، نہ دن میں نہ رات میں، نہ ہی میں نے کبھی اس کے لئے آرزو اور دعا کی، نہ ظاہر میں نہ باطن میں۔ لیکن آج میں نے اس بوجھ کو محض اس ڈر سے اٹھالیا ہے کہ میں آگے بڑھ کر اس وقت امت کو نہ سنبھالوں تو امت کے درمیان کہیں فتنہ واختلاف نہ برپا ہو کر امت ٹوٹ نہ جائے، اب اگرچہ تمہارے چن لینے سے میں تمہارا امیر ہو گیا ہوں، مگر مجھے تم پر کوئی فضیلت نہیں ہے،(۷۸) ہمارے سامنے قرآن وسنت اور احکامِ شریعت موجود ہیں، سب سے عقل مند وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے، میرے نزدیک تمہارا طاقتور اس وقت تک کمزور ہے جب تک میں اس سے کمزور کا حق نہ دلوا دوں، اور تمہارا کمزور اس وقت تک طاقتور ہے جب تک کہ اس کو اپنا حق حاصل نہ ہو جائے۔

لوگو! میں سنت کا اتباع کرنے والا اور بدعت سے نفرت کرنے والا آدمی ہوں جب تک میں صحیح چلوں تم میرا ساتھ دو اور اگر میں خدانخواستہ سیدھے راستے سے ہٹ جاؤں تو تم مجھے راہِ راست پر لے آؤ، اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔

لوگو سنو! جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے وہ ذلیل ورسوا ہو جاتی ہے، اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے وہ بلاؤں میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ان باتوں کو یاد رکھو، اور بس اب چلو نماز کی تیاری کرو، اللہ تم پر رحم فرمائے۔ آمین

---

(۷۸) حضرت ابوبکرؓ کے اس قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں دیگر صحابہ کرام پر حقیقتاً بھی کوئی فضیلت نہ تھی، یقیناً پوری امت میں سب سے افضل ہیں، جس پر نصوص قطعیہ شاہد ہیں یہ قول ان کی غایتِ تواضع پر محمول کیا جائے گا، یا پھر وہ کہنا چاہتے ہیں کہ تمام مسلمان اپنے بنیادی حقوق حاصل کرنے میں برابر ہیں۔ واللہ اعلم

حلیہ مُبارکہ :-

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مُبارکہ کی صحابہ کرامؓ نے بڑی تفصیل کے ساتھ منظر کشی کی ہے، ایک لمبی روایت حضرت حسینؓ ابن علیؓ سے منقول ہے جو انہوں نے اپنے ماموں حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کے حوالہ سے ذکر کی ہے، فرماتے ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل وخصائل جاننے کی بڑی خواہش رہتی تھی اور میرے ماموں کو آپ کے بارے میں سنانے اور بیان کرنے کا بہت ذوق تھا۔ میں نے ایک دن اُن سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حُلیہ کے بارے میں کچھ بتایئے تو انہوں نے کہنا شروع کیا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ذی وجاہت اور بہت باوقار تھے، آپ کا چہرۂ مبارک چودھویں کی چاند کی طرح دمکتا رہتا تھا، قد وقامت میں متوسط سے کچھ بلند تھے، نہ ایک دم لانبے اور نہ ہی پستہ قد بلکہ درمیانہ قد تھے، سر بڑا تھا جو وفورِ عقل کی نشاندہی کرتا ہے، بال نہ بالکل گھنگریالے تھے نہ ایک دم سیدھے، بلکہ قدرے بل کھاتے ہوئے اور کانوں کی لو تک دراز تھے، رنگ سُرخی مائل سفید یعنی گندمی تھا، نہ بالکل سفید کہ معیوب معلوم ہو اور نہ ہی براؤن، پیشانی کشادہ تھی، بھویں باریک اور گہری تھیں، بھوؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر آتی تھی، ناک بلندی مائل تھی، اس پر ایک نور اس طرح جگمگاتا رہتا تھا کہ پہلی نظر میں آدمی اس کو ناک کی بلندی ہی سمجھ لیتا تھا جبکہ ایسا نہیں تھا، داڑھی گھنی اور بڑی تھی، گال ہلکے اور نرم تھے، منھ کشادہ اور وسیع تھا، دانت مضبوط اور باریک تھے، جن کے درمیان میں ہلکی ریخیں تھیں، سینہ اور پیٹ یکساں تھے، یعنی پیٹ سینے سے ابھرا ہوا نہ تھا، سینہ کشادہ اور چوڑا تھا، گردن معتدل اور پُر گوشت تھی، خوب صورت اتنی جیسے مورتی یا تصویر کی گردن ہو، دونوں مونڈھوں کے درمیان وسعت تھی، ہڈیاں مضبوط اور موٹی تھیں، آنکھیں روشن اور چمکدار تھیں، حلق کے نیچے والے گڑھے سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر تھی، اسکے علاوہ سینہ اور پیٹ پر کہیں بال نہ تھے، ہتھیلی کشادہ اور نرم تھی، تلوے بھی پُر گوشت مگر ہلکے اور ملائم

تھے، پنجے چکنے اور ستھرے تھے، چلتے تو قدم جما کر رکھتے اور قوت سے اٹھاتے تھے، رفتار تیز تھی نہ اکڑ کر چلتے تھے نہ عورتوں کی طرح مٹک مٹک کر، ایسا لگتا تھا جیسے بلندی سے ڈھلان کی طرف اُتر رہے ہوں، کسی طرف پلٹتے تو مکمل پلٹتے تھے، نظریں اکثر نیچی رکھتے کبھی کبھار اٹھاتے تھے، اکثر راستہ کن انکھیوں سے دیکھ لیتے تھے، چلنے میں اپنے ساتھیوں کو آگے کر دیتے اور خود پیچھے ہو لیتے، جب کسی کا سامنا ہوتا تو سلام میں پہل فرماتے تھے، اکثر فکر مند اور غم زدہ رہتے کبھی سکون نہ رہتا، بہت زیادہ چپ رہتے بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے، گفتگو کا آغاز اور اختتام منہ کھول کر یعنی پورے تلفظ کے ساتھ فرماتے، بات واضح کرتے نہ اس قدر کم کہ سمجھی نہ جاسکے نہ اتنی زیادہ کہ گرانی ہونے لگے، نہایت نرم گو تھے نہ سخت کلامی کرتے اور نہ کسی کی تحقیر ہونے دیتے، حق تعالیٰ کی نعمتوں کی بڑی قدر دانی فرماتے تھے، حقیر سے حقیر نعمت کو بُرا نہیں کہتے تھے، اگر تعریف کے قابل نہ ہو تو سکوت فرماتے، نہ مذمت کرتے نہ تعریف، اگر کسی طرف اشارہ کرنا ہوتا تو پوری ہتھیلی سے فرماتے، اظہارِ تعجب کرنا ہوتا تو ہتھلیوں کو الٹ دیتے تھے، جب گفتگو فرماتے تو داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے ٹکراتے تھے، کسی سے ناراض ہوتے تو بس اس کی طرف سے توجہ ہٹا لیتے اور گویا روٹھ جاتے اور کسی سے خوش ہوتے غایتِ حیا سے نگاہیں جھکا لیتے تھے، ہنسی میں زیادہ تر مسکراہٹ پر اکتفا فرماتے، زیادہ سے زیادہ چند دانت نظر آجاتے تھے، ہمیشہ خندہ پیشانی سے رہتے، ہر ایک کے ساتھ عمدہ اخلاق سے پیش آتے، سخت کلامی، بدمزاجی سے دور رہتے، بازاروں میں زور سے بات نہ کرتے تھے، غیبت اور مدح سرائی سے بچتے تھے، آپ کی مجلس بڑی باوقار، پُر ہیبت مجلس ہوتی تھی، جب آپ بولتے تو سب خاموش سنتے تھے، آپ چپ ہوتے تو دوسرے بولتے تھے، کسی کی آواز آپ کی آواز سے اونچی نہیں ہوتی تھی مجلس میں کسی کی بے آبروئی نہیں کی جاتی تھی، کسی کی غلطی کا مذاق نہ بنایا جاتا تھا، بہت ہی حلم وحیا اور صبر وامانت کی مجلس ہوا کرتی تھی۔

یہ صرف ایک روایت ہے، ایسی متعدد روایات ہیں جن میں آپ کی ایک ایک عادت اور صفت کو جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے جسے سیرت کی بڑی کتابوں میں ضرور پڑھنا چاہئے۔

اللھم صل وسلم علیه وعلی اٰله اجمعین

حقوق النبی صلی اللہ علیہ وسلم:۔

گذشتہ صفحات میں آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سیرت اور پاکیزہ صورت کی ایک جھلک دیکھ لی ہے، اب ذیل میں امت پر آپ کے حقوق کی قدرے تفصیل بیان کی جاتی ہے، یہ موضوع بھی اگرچہ بہت لمبی بحث چاہتا ہے مگر پچھلے تمام عنوانات کی طرح اس عنوان کو بھی مختصراً ہی ذکر کیا جارہا ہے۔

قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہ' نے آپ کے مقام ومرتبہ کا ذکر کرنے کے بعد امت پر آپ کے حقوقِ اربعہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَهٗ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: پس جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی عزت کی، اور ان کی مدد کی، اور ان پر نازل شدہ کلام کی اتباع کی ،وہی لوگ کامیاب ہیں۔

اس آیت شریفہ میں آپ کے چار حقوق بتائے گئے ہیں، ایمان توقیر، نصرت اور اتباعِ قرآن وسنت!

علامہ سید محمود آلوسیؒ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

پس جو لوگ ان پر ایمان لائے یعنی ان کی نبوت ورسالت کی تصدیق کی اور تعظیم و توقیر کا حق ادا کیا یعنی ان کی ایسی حفاظت کی کہ کسی دشمن کو ان تک پہونچنے اور انہیں نقصان پہونچانے کا موقعہ نہ مل سکے اور اعداءِ دین کے مقابلہ میں بھی ان کی نصرت اور مدد کی، یعنی ان کے ہر نفع کی رعایت اور ہر ضرر سے حفاظت کو ضروری سمجھا، اور جو کچھ آپ کے اوپر

نازل کیا گیا ہے یا آپ کے ذریعہ بھیجا گیا ہے، (یعنی کتاب وسنت) اس کا اتباع کیا تو ایسے لوگ دنیا اور آخرت میں بامراد و کامیاب ہوں گے، بشرطیکہ یہ سب رضائے الٰہی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کیا ہو۔ اس آیت میں اتباع کی اہمیت اور اتباع کرنے والوں کے مقام و مرتبے کو واضح کیا گیا ہے۔(۷۰)

ان چار بنیادی حقوق کے علاوہ بھی متعدد حقوق ہیں جو قرآن کریم کی بے شمار آیات اور احادیثِ شریفہ میں بیان کی گئی ہیں، علماءِ کرام نے انہیں مستقل کتابوں میں جمع کر دیا ہے، جس شخص کی تمنا یہ ہو کہ وہ جب اس دنیا سے آخرت کی طرف چلا جائے تو اس حال میں جائے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اس سے راضی اور خوش ہوں تو اسے چاہیے کہ اپنے اللہ اور اس کے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کو تفصیل سے معلوم کرے اور اہتمام سے ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

---

(۷۹) روح المعانی ۱۱۰/۹ تلخیصاً